بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سخن آفرین را حمد و ثنا کہ کلام بلاغت انضمام فصاحت التیام مبرا از سہو و معائب

دیوان غالب

باہتمام ابو الحسنات عبدہ قطب الدین احمد غفر لہ اللہ الصمد پروپرائٹر بتاریخ ماہ جون ۱۹۱۵ء

در مطبع نامی واقع لکھنؤ مطبوع گردید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غزلیات

نقش فریادی ہی کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہی پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہی جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

بسکہ ہون غالب اسیری مین بھی آتش زیرِ پا
موئے آتش دیدہ ہی حلقہ مری زنجیر کا

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگیِ چشمِ حسود تھا

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب مین خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیان تھا نہ سود تھا

لیتا ہون مکتبِ غمِ دل مین سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
مین ورنہ ہر لباس مین ننگِ وجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجیے ہمنے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

دوستدار دشمن ہے اعتماد دلِ معلوم
آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہمنے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

حال دل نہیں معلوم لیکن اسقدر یعنی
ہمنے بارہا ڈھونڈھا تمنے بارہا پایا

شور پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے تمنے کیا مزا پایا

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

عرض کیجیے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

دل نہیں تجھکو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھکر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد
کام یاروں کا بقدرِ لبِ دنداں نکلا

ہے نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اس رہگذر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

بفیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ
مبارکباد اسد غمخوارِ جانِ دردمند آیا

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گذرگاہ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سر منزلِ تقوی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے
ہمنے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسی نہ ہوا

ستائش گر ہی زاہد اسقدر جس باغ رضوان کا
وہ اک گلدستہ ہی ہم بیخودوں کے طاقِ نسیان کا

بیان کیا کیجیے بیدادِ کاوشہائے مژگان کا
کہ ہر یک قطرۂ خون دانہ ہی تسبیح مرجان کا

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستان کا

دکھاؤنگا تماشا دی اگر فرصت زمانہ نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہی سرو چراغان کا

کیا آئینہ خانیکا وہ نقشہ تیری جلوہ نے
کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستان کا

مری تعمیر میں مضمر ہی اک صورت خرابی کی
ہیولی برق خرمن کا ہی خونِ گرم دہقان کا

اگا ہی گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہی میرے دربان کا

خموشی میں نہان خون گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغ مردہ ہوں میں بیزبان گورِ غریبان کا

ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دلِ افسردہ گویا حجرہ ہی یوسف کے زندان کا

بغل میں غیر کے آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آکر تبسمہای پنہان کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہی سرشک آلودہ ہونا تیری مژگان کا

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں
طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ
سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یا رب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ سمجھون اُسکی باتین گو نہ پاؤن اُسکا بھید
پر یہ کیا کم ہی کہ مجھسے وہ پری پیکر کھلا

ہی خیالِ حُسن مین حُسنِ عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہی میری گور کی اندر کھلا

منھ نہ کھلنے پر ہی وہ عالم کہ دیکھا ہی نہین
زلف سی بڑھکر نقاب اُس شوخ کی منھ پر کھلا

در پہ رہنے کو کہا اور کہکے کیسا پھر گیا
جتنے عرصے مین مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

کیون اندھیری ہی شبِ غم ہی بلاؤن کا نزول
آج اُدھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا

کیا رہون غربت مین خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہی وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اُسکی اُمت مین ہون مین میری رہین کیون کام بند
واسطے جس شہ کی غالب گنبدِ بے در کھلا

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

وان کرم کو عذرِ بارش تھا عنان گیرِ خرام
گریہ سی یان پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یان ہجومِ اشک مین تارِ نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آبجو
یان روان مژگانِ چشمِ تر سی خونِ ناب تھا

یان سرِ پرشور بیخوابی سے تھا دیوار جو
وان وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا

یان نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی
جلوۂ گل وان بساطِ صحبتِ احباب تھا

فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موجِ رنگ کا
یان زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

ناگہان اِس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

نالۂ دل مین شب اندازِ اثر نایاب تھا
تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہون
پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یان
ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالمتاب تھا

آج کیون پروا نہین اپنے اسیرون کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید مین اک دیدۂ بیخواب تھا

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اُسکے سیلِ گریہ مین گردون کفِ سیلاب تھا

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

اب مین ہون اور ماتمِ یک شہرِ آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

گلیون مین میری نعش کو کھینچے پھرو کہ مین
جان دادۂ ہوائے سرِ رہگزار تھا

موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا

وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھکو
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیران ہونا

جلوہ ازبسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگان ہونا

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریان ہونا

لیگئے خاک مین ہم داغ تمناے نشاط
تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستان ہونا

عشرتِ پارۂ دل زخم تمنا کھانا
لذّتِ ریشِ جگر غرق نمکدان ہونا

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ
ہاے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جسکی قسمت مین ہو عاشق کا گریبان ہونا

شب خمارِ شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیطِ بادہ صورتخانۂ خمیازہ تھا

یکقدم وحشت سے درسِ دفترِ امکان کھلا
جادہ اجزاے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

مانعِ وحشت خرامیہاے لیلی کون ہے
خانۂ مجنونِ صحراگرد بے دروازہ تھا

پوچھ مت رسوائیِ اندازِ استغناے حسن
دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

نالۂ دل نے دیے اوراقِ لختِ دل بباد
یادگارِ نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

دوست غمخواری مین میری سعی فرماوینگے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاوینگے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہینگے حالِ دل اور آپ فرماوینگے کیا

حضرتِ ناصح گر آوین دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاوینگے کیا

آج وان تیغ و کفن باندھے ہوے جاتا ہون مین
عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لاوینگے کیا

گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یون سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جاوینگے کیا

خانہ زادِ زلف ہین زنجیر سے بھاگینگے کیون
ہین گرفتارِ وفا زندان سے گھبراوینگے کیا

ہے اب اس معمورہ مین قحطِ غمِ الفت اسد
ہمنے یہ مانا کہ دلّی مین رہین کھاوینگے کیا

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدہ پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیمکش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا
کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

نوازشہائے بیجا دیکھتا ہوں
شکایتہائے رنگیں کا گلا کیا

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافلہائے تمکیں آزما کیا

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

نفس موجِ محیطِ بیخودی ہے | تغافلہاے ساقی کا گلا کیا
دماغ عطرِ پیراہن نہین ہے | غمِ آوارگیہاے صبا کیا
دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر | ہم اُسکے ہین ہمارا پوچھنا کیا
محابا کیا ہے مین ضامن ادھر دیکھ | شہیدانِ نگہ کا خونبہا کیا
سُن اے غارتگرِ جنسِ وفا سُن | شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
کیا کسنے جگرداری کا دعویٰ | شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا
یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیون | یہ کافر فتنۂ طاقت رُبا کیا

بلاے جان ہے غالب اُسکی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہمسا نہوا | پھر غلط کیا ہے کہ ہمسا کوئی پیدا نہوا
بندگی مین بھی وہ آزادہ و خودبین ہین کہ ہم | اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہوا
سبکو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا | روبرو کوئی بتِ آئینہ سیما نہوا
کم نہین نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوبان | تیرا بیمار بُرا کیا ہے گر اچھا نہوا
سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نگیا | خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہوا
نام کا میرے ہے جو دُکھ کہ کسی کو نملا | کام مین میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہوا
ہر بنِ مو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونناب | حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہوا
قطرہ مین دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو مین کل | کھیل لڑکون کا ہوا دیدۂ بینا نہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑینگے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا

اسد ہم وہ جنون جولان گدای بے سر و پا ہین
کہ ہے سر پنجۂ مژگان آہو پشت خار اپنا

پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
بخون غلطیدۂ صد رنگ دعوی پارسائی کا

نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بیوفائی کا
بمہرِ صد نظر ثابت ہے دعوے پارسائی کا

زکاتِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

نہ مارا جان کر بیجرم غافل تیری گردن پر
رہا مانند خونِ بیگنہ حق آشنائی کا

تمنائے زبان محوِ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یان نفس وان نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگین نوائی کا

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیر رسوائی
عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے
کہ حسرت سنج ہون عرضِ ستمہائے جدائی کا

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیان ہو جائیگا
بے تکلف داغِ مہ مُہرِ دہان ہو جائیگا

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر مین ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانمان ہو جائیگا

لے تو لون سوتے مین اُسکے پانو کا بوسہ مگر
ایسی باتون سے وہ کافر بدگمان ہو جائیگا

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائیگا

سب کے دل مین ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہربان ہو جائیگا

گرنگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہوجائیگا

باغ میں مجھکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر
ہر گلِ تر ایک چشمِ خونفشاں ہوجائیگا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہوجائیگا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
دوستیِ ناداں کی ہے جی کا زیاں ہوجائیگا

درد منت کشِ دوا نہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھاکے بے مزا نہ ہوا

ہے خبر گرم انکے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی دی ہوئی اسیکی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھمبا
کام گر رک گیا روا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے
لیکے دل دلستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب
مگر ستمزدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزان ہو بہار اگر ہے یہی
دوام کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا

غم فراق مین تکلیف سیر باغ نہ دو
مجھے دماغ نہین خندہ ہائے بیجا کا

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہون
کرے ہے ہر بنِ مو کام چشم بینا کا

دل اسکو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمین دماغ کہان حسن کے تقاضا کا

نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرتِ دل ہے
مری نگاہ مین ہے جمع و خرچ دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہون اسکو یاد اسد
جفا مین اسکی ہے انداز کار فرما کا

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خطِ جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھپر ہوا

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا
تپشِ شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

اہل بینش نے بحیرت کدۂ شوخی ناز
جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا

یاس و امید نے یک عربدہ میدان مانگا
عجز ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا

نہ بندھے تشنگیِ ذوق کے مضمون غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آؤن
گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

ہے ایک تیر جسمین دونون چھدے پڑے ہین
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی مین غالب کچھ بن پڑے تو جانون
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویران ہوتا
بحر گر بحر نہوتا تو بیابان ہوتا

تنگیِ دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہوتا تو پریشان ہوتا

بعد یک عمرِ ورع بار تو دیتا بارے
کاش رضوان ہی درِ یار کا دربان ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھکو ہونے نے نہوتا مین تو کیا ہوتا

ہوا جب غم سے یون بیحس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یون ہوتا تو کیا ہوتا

یک ذرۂ زمین نہین بیکار باغ کا
یان جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی
کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایاغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہائے گل
کہتے ہین جسکو عشق خلل ہے دماغ کا

تازہ نہین ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے
تریاکیِ قدیم ہون دودِ چراغ کا

سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کرین کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بیخونِ دل ہے چشم مین موجِ نگہ غبار
یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل
ابرِ بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

وہ مری چینِ جبین سے غمِ پنہان سمجھا
رازِ مکتوب بہ بیربطیِ عنوان سمجھا

یک الف بیش نہین صیقلِ آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہون مین جب سے کہ گریبان سمجھا

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام
رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیران سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
نبضِ خس سے تپشِ شعلۂ سوزان سمجھا

سفرِ عشق مین کی ضعف نے راحت طلبی
ہر قدم سایہ کو مین اپنے شبستان سمجھا

تھا گریزان مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ
دفعِ پیکانِ قضا اسقدر آسان سمجھا

دل دیا جان کے کیون اسکو وفادار اسدؔ
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

سادگیہاے تمنا یعنی
پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل
نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

زندگی یون بھی گذر ہی جاتی
کیون ترا راہگذر یاد آیا

کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد مین گر یاد آیا

آہ وہ جُرأتِ فریاد کہان
دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہی خیال
دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

مین نے مجنون پہ لڑکپن مین اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عنانگیر بھی تھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس مین کچھ شائبۂ خوبی تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دون
کبھی فتراک مین تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید مین ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہان کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا

بجلی اک کوند گئی آنکھون کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ مین لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اسکو کہون اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو مین لائق تعزیر بھی تھا

دیکھکر غیر کو ہو کیون نہ کلیجا ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولے طالب تاثیر بھی تھا

پیشے مین عیب نہین رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش مین کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہین فرشتون کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمھین استاد نہین ہو غالب
کہتے ہین اگلے زمانے مین کوئی میر بھی تھا

لب خشک در تشنگی مردگان کا
زیارت کدہ ہون دل آزردگان کا

ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی
مین دل ہون فریب وفا خوردگان کا

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اورون پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے
خورشید ہنوز اسکے برابر نہ ہوا تھا

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھون مین ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

جبتک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم — مین معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

مین سادہ دل آزردگیِ یار سے خوش ہون — یعنے سبقِ شوقِ مکرر نہ ہوا تھا

دریاے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسد داغِ جگر سے مری تحصیل — آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا — رشتۂ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا

مشہدِ عاشق سے کوسون تک جو اگتی ہے حنا — کسقدر یارب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو — دل بدل پیوستہ گویا اک لبِ افسوس تھا

کیا کہون بیماریِ غم کی فراغت کا بیان — جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیموس تھا

آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لیکے رہ گئے — صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے — اسکی خطا نہین ہے یہ میرا قصور تھا

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہین رہا — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا

جاتا ہون داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے — ہون شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہین رہا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین — شایانِ دست و بازوے قاتل نہین رہا

بر روے شش جہت درِ آئینہ باز ہے — یان امتیازِ ناقص و کامل نہین رہا

وا کر دیے ہین شوق نے بندِ نقابِ حسن — غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہین رہا

گو مین رہا رہینِ ستمہاے روزگار — لیکن ترے خیال سے غافل نہین رہا

دل سی ہواے کشتِ وفا مٹ گئی کہ وان
حاصل سواے حسرتِ حاصل نہین رہا

بیدادِ عشق سے نہین ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا

رشک کہتا ہی کہ اُسکا غیر سی اخلاص حیف
عقل کہتی ہی کہ وہ بیمہر کسکا آشنا

ذرہ ذرہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہی
گردشِ مجنون بچشمکہاے لیلا آشنا

شوق ہی سامان طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

مین اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہی
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیرین تھا اسد
سنگ سی سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

ذکر اُس پریوش کا اور پھر بیان اپنا
بنگیا رقیب آخر تھا جو رازدان اپنا

مے وہ کیون بہت پیتے بزمِ غیر مین یارب
آج ہی ہوا منظور اُنکو امتحان اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکان اپنا

دے وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی مین ٹالینگے
بارے آشنا نکلا اُنکا پاسبان اپنا

دردِ دل لکھون کبتک جاؤن اُنکو دکھلادون
انگلیان فگار اپنی خامہ خونچکان اپنا

گھستے گھستے مٹ جاتا آپنے عبث بدلا
ننگِ سجدہ سے میری سنگِ آستان اپنا

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو
دوست کی شکایت مین ہمنے ہمزبان اپنا

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے
بےسبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

شرحِ مفتِ نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

غافل بہ وہمِ ناز خود آرا ہے ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں طرہ گیاہ کا

بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ
صید ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
پر گل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

جاں در ہوائے یک نگہِ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریِ ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدے کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس
کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

باب الباء

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

پوچھ مت وجہِ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں بہ دمِ آبِ بقا موجِ شراب

بسکہ دوڑے ہی رگِ تاک مین خون ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سی ہی بال کشا موج شراب

موجۂ گل سی چراغان ہی گذرگاہ خیال
ہی تصور مین زبس جلوہ نما موج شراب

نشّے کے پردے مین ہی محو تماشاے دماغ
بسکہ رکھتی ہی سرِ نشو و نما موج شراب

ایک عالم پہ ہین طوفانی کیفیت فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موج شراب

شرح ہنگامۂ ہستی ہی زہے موسم گل
رہبرِ قطرہ بدریا ہے خوشا موج شراب

ہوش اڑتے ہین مری جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

باب التاء

افسوس کہ دندان کا کیا رزق فلک نے
جن لوگون کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

کافی ہے نشانی تری چھلّے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہون اسد سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مری حرف پہ انگشت

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

جگر کو مرے عشق خونابہ مشرب
لکھے ہے خداوند نعمت سلامت

علی الرغم دشمن شہیدِ وفا ہون
مبارک مبارک سلامت سلامت

نہین گر سر و برگ ادراک معنی
تماشاے نیرنگ صورت سلامت

مند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین غالب
یار لائے مرے بالین پہ اسے پر کسوقت

آمدِ خط سے ہوا ہی سرد جو بازار دوست
دود شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسار دوست

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہی تابِ جلوۂ دیدار دوست

خانہ ویران سازیِ حیرت تماشا کیجیے / صورتِ نقشِ قدم ہون رفتۂ رفتارِ دوست

عشق مین بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے / کشتۂ دشمن ہون آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست

چشمِ ما روشن کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہی / دیدۂ پُر خون ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

غیر یون کرتا ہی میری پُرسش اُسکے ہجر مین / بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست

تاکہ مین جانون کہ ہو اُسکی رسائی وان تلک / مجھکو دیتا ہی پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

جبکہ مین کرتا ہون اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ / سر کرے ہی وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

چُپکے چُپکے مجھکو روتے دیکھ پاتا ہی اگر / ہنس کے کرتا ہی بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست

مہربانیہاے دشمن کی شکایت کیجیے / یا بیان کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہی آپ / ہی ردیفِ شعر مین غالبؔ زبس تکرارِ دوست

باب الجیم

گلشن مین بندوبست برنگِ دگر ہی آج / قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

آتا ہی ایک پارۂ دل ہر فغان کے ساتھ / تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل / سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

تو ہم مریضِ عشق کے بیماردار ہین / اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

ردیف جیم فارسی

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ / اگر شراب نہین انتظارِ ساغر کھینچ

کمالِ گرمیِ سعیِ تلاشِ دید نہ پوچھ / برنگِ خار مرے آئنے سے جوہر کھینچ

تجھے بہانۂ راحت ہی انتظار اے دل / کیا ہی کسنے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ

تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس
بکوریِ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ

بہ نیم غمزہ ادا کر حقِ ودیعتِ ناز
نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ

مرے قدح میں ہے صہبائے آتشِ پنہاں
بروئے سفرہ کبابِ دلِ سمندر کھینچ

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خون ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر یعنی
انکے ناخن ہوے محتاجِ حنا میرے بعد

درخورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا
نگہِ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد

ہے جنون اہلِ جنون کے لیے آغوشِ وداع
چاک ہوتا ہے گریبان سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی میں صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

باب الراء

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

وفورِ اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

نہیں ہے سایہ کہ سنکر نویدِ مقدمِ یار
گئے ہیں چند قدم بیشتر در و دیوار

ہوئی ہے کس قدر ارزانیِ مئے جلوہ
کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار

جو ہے تجھے سرِ سوداے انتظار تو آ
کہ ہین دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے
کہ گر پڑے نہ مرے پانون پر در و دیوار

وہ آ رہا مرے ہمسایہ مین تو سائے سے
ہوے فدا در و دیوار پہ در و دیوار

نظر مین کھٹکے ہی بن تیرے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار

نپوچھ بیخودیِ عیشِ مقدمِ سیلاب
کہ ناچتے ہین پڑے سر بسر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہین زمانے مین
حریف رازِ محبت مگر در و دیوار

گھر جب بنا لیا ترے در پہ کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
جانون کسی کے دل کی مین کیونکر کہے بغیر

کام اُس سے آ پڑا ہے کہ جسکا جہان مین
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

جی مین ہی کچھ نہین ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہین پر کہے بغیر

چھوڑونگا مین نہ اُس بتِ کافر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو مین کام
چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

بہرا ہون مین تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر

غالب نہ کر حضور مین تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب اُنپر کہے بغیر

کیون جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھکر — جلتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھکر

آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے — سرگرم نالہاے شرر بار دیکھکر

کیا آبروے عشق جہان عام ہو جفا — رکتا ہون تمکو بے سبب آزار دیکھکر

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے — مرتا ہون اسکے ہاتھ مین تلوار دیکھکر

ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق — لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھکر

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ — ہمکو حریص لذت آزار دیکھکر

بکجاتے ہین ہم آپ متاع سخن کے ساتھ — لیکن عیار طبع خریدار دیکھکر

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال — رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھکر

ان آبلون سے پانو کے گھبرا گیا تھا مین — جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھکر

کیا بدگمان ہے مجھسے کہ آئینے مین مرے — طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

گرنی تھی ہمپہ برق تجلی نہ طور پر — دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھکر

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشان پر — مین ہون وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیابان پر

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یان بھی خانہ آرائی — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زندان پر

فنا تعلیم درس بیخودی ہون اس زمانے سے — کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر

فراغت کسقدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے — بہم گر صلح کرتے پارہ ہاے دل نمکدان پر

نہیں اقلیمِ الفت مین کوئی طومارِ ناز ایسا
کہ پشتِ چشم سے جسکی نہ ہووے مُہر عنوان پر

مجھے اب دیکھکر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت مین تری آتش برستی تھی گلستان پر

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیدان پر

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اسنے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبان پر

ہے بسکہ ہر اک انکے اشارے مین نشان اور
کرتے ہین محبت تو گذرتا ہے گمان اور

یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھینگے مری بات
دے اور دل انکو جو نہ دے مجھکو زبان اور

ابرو سے ہے کیا اُس نگہِ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر مگر اسکی ہے کمان اور

تم شہر مین ہو تو ہمین کیا غم جب اُٹھینگے
لے آئینگے بازار سے جاکر دل و جان اور

ہر چند سبکدست ہوے بت شکنی مین
ہم ہین تو ابھی راہ مین ہے سنگِ گران اور

ہے خونِ جگر جوش مین دل کھول کے روتا
ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشان اور

مرتا ہون اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائین کہ ہان اور

لوگون کو ہے خورشیدِ جہانتاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہون مین اک داغِ نہان اور

لیتا نہ اگر دل تمھین دیتا کوئی دم چین
کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور

پاتے نہین جب راہ تو چڑھ جاتے ہین نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے روان اور

ہین اور بھی دنیا مین سخنور بہت اچھے
کہتے ہین کہ غالب کا ہے اندازِ بیان اور

صفائے حیرتِ آئینہ ہی سامانِ زنگ آخر
تغیرِ آبِ برجا ماندہ کا پاتا ہی رنگ آخر

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگ آخر

جنون کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی
گریبان چاک کا حق ہو گیا ہی میری گردن پر

برنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بیتابی
ہزار آئینہ دل باندھی ہی بالِ یک تپیدن پر

فلک سے ہمکو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاعِ بردہ کو سمجھے ہوی ہین قرض رہزن پر

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہی
شعاعِ مہر سے تہمت نگہ کی چشمِ روزن پر

فنا کو سونپ گر مشتاق ہی اپنی حقیقت کا
فروغِ طالعِ خاشاک ہی موقوف گلخن پر

اسد بسمل ہی کس انداز کا قاتل سے کہتا ہی
کہ مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

ستمکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھپہ عاشق ہین
تکلف برطرف ملجائیگا تجھسا رقیب آخر

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیون اب رہو تنہا کوئی دن اور

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہون در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤن
مانا کہ ہمیشہ نہین اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوے کہتے ہو قیامت کو ملینگے
کیا خوب قیامت کا ہی گویا کوئی دن اور

ہان اے فلکِ پیر جوان تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہِ شبِ چاردہم تھے مرے گھر کے
پھر کیون نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھسے تمہین نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچون کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گذری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش	کرنا تھا جوان مرگ گذارا کوئی دن اور
باب	الزاد
نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہین غالب	قسمت مین ہی مرنے کی تمنا کوئی دن اور
فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر	ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز
ہے ناز مفلسان زر از دست رفتہ پہ	ہون گلفروش شوخی داغ کہن ہنوز
مینخانۂ جگر مین یہان خاک بھی نہین	خمیازہ کھینچے ہی بت بیداد فن ہنوز
حریف مطلب مشکل نہین فسون نیاز	دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز
نہ ہو بہرزہ بیابان نورد وہم وجود	ہنوز تیرے تصور مین ہی نشیب و فراز
وصال جلوہ تماشا ہے پہ دماغ کہان	کہ دیجے آئنۂ انتظار کو پرداز
ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست	گئی نہ خاک ہوئے پہ ہوائے جلوۂ ناز
نہ پوچھ وسعت مینخانۂ جنون غالب	جہان یہ کاسۂ گردون ہی ایک خاک انداز
وسعت سعی کرم دیکھ کہ سر تا سر خاک	گذرے ہے آبلہ پا ابر گہربار ہنوز
یکقلم کاغذ آتش زدہ ہی صفحۂ دشت	نقش پا مین ہی تپ گرمی رفتار ہنوز
کیونکر اس بت سے رکھون جان عزیز	کیا نہین ہے مجھے ایمان عزیز
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے	ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
تاب لاتے ہی بنیگی غالب	واقعہ سخت ہے اور جان عزیز
نہ گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز	مین ہون اپنی شکست کی آواز

تو اور آرائش خم کاکل
میں اور اندیشہائے دور دراز

لاف تمکین فریب سادہ دلی
ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز

ہوں گرفتار الفت صیاد
ورنہ باقی ہے طاقت پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اوس ستمگر سے
ناز کھینچوں بجائے حسرت ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خون
جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز
اے ترا ظلم سر بسر انداز

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
ریزش سجدۂ جبین نیاز

مجھکو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا
میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خان تمام ہوا
اے دریغا وہ رند شاہد باز

باب سین مہملہ

مژدہ اے ذوق اسیری کہ نظر آتا ہے
دام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس

جگر تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا
جوے خون ہمنے بہائی بن ہر خار کے پاس

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے
خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

میں بھی رک رک کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے
دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

دہن شیر میں جا بیٹھیے لیکن اے دل
نہ کھڑے ہوجیے خوبان دل آزار کے پاس

دیکھکر تجھکو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہونچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے
بیٹھنا اوسکا وہ آکر تری دیوار کے پاس

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

فروغِ حسن سے ہوتی ہے حلِّ مشکلِ عاشق
نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع
چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

رخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیِ شمع
ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیِ شمع

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع

کرے ہے صرف بایمائے شعلہ قصہ تمام
بطرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانیِ شمع

غم اسکو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بجلوہ ریزیِ باد و بہ پرفشانیِ شمع

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ
شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانیِ شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھکو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

باب الفاء

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش
مجبور یاں تلک ہوئے اے اختیار حیف

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے
اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک
کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کسقدر پیدا نمک

مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہو جیو
نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کسکا کہ آج
گردِ ساحل ہے بزخمِ موجۂ دریا نمک

دادد یتا ہو مرے زخم جگر کی واہ واہ
یاد کرتا ہی مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہی زخم اور مانگے ہین اعضا نمک

غیر کی منت نہ کھینچو نگا پئے توفیر درد
زخم مثلِ خندۂ قاتل ہے سرتاپا نمک

یاد ہین غالب تجھے وہ دن کہ وجد ذوق مین
زخم سے گرتا تو مین پلکو نسے چنتا تھا نمک

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہی تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج مین ہی حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھین کیا گذرے ہی قطرہ پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کرون خون جگر ہونے تک

ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائینگے ہم تمکو خبر ہونے تک

پرتو خور سے ہی شبنم کو فنا کی تعلیم
مین بھی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہین فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہی اک رقص شرر ہونے تک

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ مین جلتی ہی سحر ہونے تک

باب کاف فارسی

گر تجھکو ہی یقینِ اجابت دعا نہ مانگ
یعنے بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

آتا ہے داغ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھسے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

ہے کسقدر ہلاک فریب وفاے گل
بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہاے گل

آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف
ٹوٹے پڑے ہین حلقۂ دام ہواے گل

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گل

خوش حال اس حریفِ سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہو مثلِ سایۂ گل سر بپائے گل

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

باب المیم

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بتخانہ ہم

باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

بنالہ حاصلِ دلبستگی فراہم کر
متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعویٰ وارستگی کی شرم

لوں وام بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

وہ فراق اور وہ وصال کہان ✦ وہ شب و روز و ماہ و سال کہان
فرصت کاروبار شوق کسے ✦ ذوق نظارۂ جمال کہان
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا ✦ شور سودائے خط و خال کہان
تھی وہ اک شخص کے تصور سے ✦ اب وہ رعنائی خیال کہان
ایسا آسان نہین لہو رونا ✦ دل مین طاقت جگر مین حال کہان
ہمسے چھوٹا قمار خانۂ عشق ✦ وان جو جاوین گرہ مین مال کہان
فکر دنیا مین سر کھپاتا ہون ✦ مین کہان اور یہ وبال کہان

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر مین اعتدال کہان

کی وفا ہمسے تو غیر اسکو جفا کہتے ہین ✦ ہوتی آئی ہے کہ اچھونکو برا کہتے ہین
آج ہم اپنی پریشانی خاطر اون سے ✦ کہنے جاتے تو ہین پر دیکھیے کیا کہتے ہین
اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو ✦ جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہین
دلمین آجائی ہی ہوتی ہی جو فرصت غش سے ✦ اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہین
ہی پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود ✦ قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین
پاے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہی ✦ خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہین
اک شرر دل مین ہی اوس سے کوئی گھبرائیگا کیا ✦ آگ مطلوب ہے ہمکو جو ہوا کہتے ہین
دیکھیے لاتی ہی اوس شوخ کی نخوت کیا رنگ ✦ اوسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہوین شاید
مر گیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہین

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن مین نہین / ہے گریبان ننگِ پیراہن جو دامن مین نہین
ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن مین نہین / رنگ ہو کر اڑ گیا جو خون کہ دامن مین نہین
ہو گئے ہین جمع اجزاے نگاہِ آفتاب / ذرے اسکے گھر کی دیوارونکے روزن مین نہین
کیا کہون تاریکیِ زندانِ غم اندھیر ہے / پنبہ نورِ صبح سے کم جسکے روزن مین نہین
رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویران ساز سے / انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن مین نہین
زخم سلوانے سے مجھپر چارہ جوئی کا ہے طعن / غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن مین نہین
بسکہ ہین ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوے / جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن مین نہین
قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے نئے ناسور کا / خون بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن مین نہین
لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری / موجِ مے کی آج رگ مینا کی گردن مین نہین
ہو فشارِ ضعف مین کیا ناتوانی کی نمود / قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن مین نہین

تھی وطن مین شان کیا غالب کہ ہو غربت مین قدر
بے تکلف ہون وہ مشتِ خس کہ گلخن مین نہین

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آسکا / گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہون
حلقے ہین چشمہاے کشادہ بسوے دل / ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہون
مین اور صد ہزار نواے جگر خراش / تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہون

ظالم مرے گمان ہی مجھے منفعل نہ چاہ
ہی ہی خدا نکردہ تجھے بیوفا کہون

مہربان ہو کے بلا لو مجھے چاہو جسوقت
مین گیا وقت نہین ہون کہ پھر آ بھی نسکون

ضعف مین طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہین ہی کہ اُٹھا بھی نسکون

زہر ملتا ہی نہین مجھکو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہی ترے ملنے کی کہ کھا بھی نسکون

ہمسے کھلجاؤ بوقت مے پرستی ایکدن
ورنہ ہم چھیڑینگے رکھکر عذر مستی ایکدن

غرۂ اوج بنائے عالم امکان نہ ہو
اس بلندی کی نصیبو نہین ہی پستی ایکدن

قرض کی پیتے تھے می لیکن سمجھتے تھے کہ ہان
رنگ لاویگی ہماری فاقہ مستی ایکدن

نغمہاے غم کو بھی ای دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایکدن

دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہین
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی ایکدن

ہمپر جفا سے ترک وفا کا گمان نہین
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

کس مُنھ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا
پرسش ہی اور پاے سخن درمیان نہین

ہمکو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز
نامہربان نہین ہے اگر مہربان نہین

بوسہ نہین نہ دیجیے دشنام ہی سہی
آخر زبان تو رکھتے ہو تم گر دہان نہین

ق
ہرچند جانگدازیِ قہر و عتاب ہے
ہرچند پشت گرمیِ تاب و توان نہین

جان مطربِ ترانۂ ھل من مزید ہے
لب پردہ سنجِ زمزمۂ الامان نہین

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم
دلمین چھری چبھو مژہ گر خونچکان نہین

ہے ننگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو
ہی عار دل نفس اگر آذر فشان نہین

نقصان نہین جنون مین بلا سی ہو گھر خراب
سو گز زمین کی بدلی بیابان گران نہین

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت مین
گویا جبین پہ سجدۂ بت کا نشان نہین

پاتا ہون اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہمزبان نہین

جان ہی بہای بوسہ دے کیون کہے ابھی
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیمجان نہین

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہین
ایک چکر ہے مری پانون مین زنجیر نہین

شوق اُس دشت مین دوڑائے ہی مجھکو کہ جہان
جادہ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہین

حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہین

رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو
خوش ہون گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہین

سر کھجاتا ہی جہان زخم سر اچھا ہو جاے
لذتِ سنگ باندازۂ تقریر نہین

جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہین

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہین

مت مردمکِ دیدہ مین سمجھو یہ نگاہین
ہین جمع سویدای دلِ چشم مین آہین

برشگالِ گریۂ عاشق ہی دیکھا چاہیے
کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن

اُلفتِ گل سے غلط ہی دعوی وارستگی
سرو ہے باوصف آزادی گرفتارِ چمن

عشق تاثیر سے نومید نہین
جانسپاری شجرِ بید نہین

سلطنت دست بدست آئی ہے
جام مے خاتم جمشید نہین

ہے تجلی تری سامان وجود
ذرّہ بے پرتو خورشید نہین

راز معشوق نہ رسوا ہو جاے
ورنہ مرجانے مین کچھ بھید نہین

گردش رنگ طرب سے ڈر ہے
غم محرومیِ جاوید نہین

کہتے ہین جیتے ہین اُمید پہ لوگ
ہمکو جینے کی بھی اُمید نہین

جہان تیرا نقش قدم دیکھتے ہین
خیابان خیابان ارم دیکھتے ہین

دل آشفتگان خال کنج دہن کے
سویدا مین سیر عدم دیکھتے ہین

ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین

تماشا کہ اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنّا سے ہم دیکھتے ہین

سُراغ تفِ نالہ لے داغ دل سے
کہ شبرو کا نقش قدم دیکھتے ہین

بنا کر فقیرون کا ہم بھیس غالب
تماشاے اہلِ کرم دیکھتے ہین

ملتی ہے خوے یار سے نار التہاب مین
کافر ہون گر نہ ملتی ہو راحت عذاب مین

کب سے ہون کیا بتاؤن جہان خراب مین
شبہاے ہجر کو بھی رکھون گر حساب مین

تا پھر نہ انتظار مین نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب مین

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھون
مین جانتا ہون جو وہ لکھینگے جواب مین

مجھ تک کب اُنکی بزم مین آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب مین

جو منکر وفا ہو فریب اُسپہ کیا چلے
کیون بدگمان ہون دوست سے دشمن کے باب مین

مین مضطرب ہون وصل مین خوفِ رقیب سے
ڈالا ہی تمکو وہم نے کس پیچ و تاب مین

مین اور حظِ وصل خداساز بات ہے
جان نذر دینی بھول گیا اضطراب مین

ہی تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہی اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب مین

لاکھون لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھون بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین

وہ نالہ دل مین خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب مین

وہ سحر مدعا طلبی مین نہ کام آئے
جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب مین

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہون روزِ ابر و شبِ ماہتاب مین

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب مین
یہ سوءِ ظن ہی ساقیِ کوثر کے باب مین

ہین آج کیون ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب مین

جان کیون نکلنے لگتی ہی تن سی دمِ سماع
گر وہ صدا سمائی ہی چنگ و رباب مین

رو مین ہی رخشِ عمر کہان دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہی نہ پا ہی رکاب مین

اتنا ہی مجھکو اپنی حقیقت سی بُعد ہے
جتنا کہ وہمِ غیر سی ہون پیچ و تاب مین

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیران ہون پھر مشاہدہ ہی کس حساب مین

ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر
یان کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب مین

شرم اک ادائے ناز ہی اپنے ہی سے سہی
ہین کتنے بے حجاب کہ ہین یون حجاب مین

آرائشِ جمال سی فارغ نہین ہنوز
پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب مین

ہی غیب غیب جسکو سمجھتے ہین ہم شہود
ہین خواب مین ہنوز جو جاگے ہین خواب مین

غالب ندیم دوست سے آتی ہی بوی دوست
مشغول حق ہون بندگی بو تراب مین

حیران ہون دلکو روؤن کہ پیٹون جگر کو مین
مقدور ہو تو ساتھ رکھون نوحہ گر کو مین

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لون
ہر اک سے پوچھتا ہون کہ جاؤن کدھر کو مین

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ تری رہگذر کو مین

ہی کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہین ہون تمھاری کمر کو مین

لو وہ بھی کہتے ہین کہ یہ بے ننگ و نام ہی
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو مین

چلتا ہون تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہین ہون ابھی راہبر کو مین

خواہش کو احمقون نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہون اس بت بیداد گر کو مین

پھر بیخودی مین بھول گیا راہ کوے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو مین

اپنے پہ کر رہا ہون قیاس اہل دہر کا
سمجھا ہون دلپذیر متاع ہنر کو مین

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز
دیکھون علی بہادر عالی گہر کو مین

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہین
غیر کی بات بگڑ جاے تو کچھ دور نہین

وعدۂ سیر گلستان ہی خوشا طالع شوق
مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہین

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہین کہ ہی پر ہمین منظور نہین

قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہی دریا لیکن
ہمکو تقلید تنک ظرفیِ منصور نہین

حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
عشقِ پر عربدہ کی گون تنِ رنجور نہین

مین جو کہتا ہون کہ ہم لینگے قیامت مین تجھے
کس رعونت سے وہ کہتے ہین کہ ہم حور نہین

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل مین کسی رنگ سے معذور نہین

صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہین ہملوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہین

ہون ظہوری کے مقابل مین خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہی کہ مشہور نہین

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہین
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہین

عشق و مزدوریِ عشرتگہِ خسرو کیا خوب
ہمکو تسلیم نکونامیِ فرہاد نہین

کم نہین وہ بھی خرابی مین پہ وسعت معلوم
دشت مین ہی مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہین

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیِ استاد نہین

وائے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا
جانتا ہے کہ ہمین طاقتِ فریاد نہین

رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشان کیون ہے
گر چراغانِ سرِ رہگذرِ باد نہین

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچین
مژدہ اے مرغ کہ گلزار مین صیاد نہین

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہی جائے دہن اسکو دمِ ایجاد نہین

کم نہین جلوہ گری مین ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اسقدر آباد نہین

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تمکو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہین

دونون جہان دیکے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین

تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار رہگئے
تیرا پتا نہ پائین تو ناچار کیا کرین

کیا شمع کے نہین ہین ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کرین

ہوگئی ہے غیر کی شیرین بیانی کارگر
عشق کا اُسکو گمان ہم بیزبانون پر نہین

قیامت ہی کہ سُن لیلی کا دشت قیس مین آنا
تعجب سے وہ بولا یون بھی ہوتا ہی زمانے مین

دل نازک پہ اُسکے رحم آتا ہی مجھے غالب
نہ کر سرگرم اُس کافر کو اُلفت آزمانے مین

دل لگاکر لگ گیا اُنکو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بیکسی کی ہمنے پائی داد یان

ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردون ہی چراغ رہگذار باد یان

یہ ہم جو ہجر مین دیوار و در کو دیکھتے ہین
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہین

وہ آئے گھر مین ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُنکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین

نظر لگے نہ کہین اُسکے دست و بازو کو
یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھین
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہین

نہین کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہین
شب فراق سے روز جزا زیاد نہین

کوئی کہے کہ شب مہ مین کیا بُرائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہین

جو آؤن سامنے اُنکے تو مرحبا نہ کہین
جو جاؤن وانسے کہین کو تو خیر باد نہین

کبھی جو یاد بھی آتا ہون مین تو کہتے ہین
کہ آج بزم مین کچھ فتنہ و فساد نہین

علاوہ عید کے ملتی ہی اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہین

جہان مین ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام
دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہین

تم ان کے وعدے کا ذکر انسے کیون کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہین کہ یاد نہین

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہین
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین

آہ کا کسنے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہین

تیری فرصت کے مقابل اے عمر
برق کو پابحنا باندھتے ہین

قید ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہین

نشۂ رنگ سے ہے واشد گل
مست کب بند قبا باندھتے ہین

غلطیہائے مضامین مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہین

اہل تدبیر کی واماندگیان
آبلون پہ بھی حنا باندھتے ہین

سادہ پرکار ہین خوبان غالب
ہمسے پیمان وفا باندھتے ہین

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہین

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہین ہون مین
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہین ہون مین

کیون گردش مدام سے گھبرا نہ جاے دل
انسان ہون پیالہ و ساغر نہین ہون مین

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لیے
لوح جہان پہ حرف مکرر نہین ہون مین

حد چاہیے سزا مین عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

کس واسطے عزیز نہین جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہین ہون مین

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھون سے کیون دریغ
رتبہ مین مہر و ماہ سے کمتر نہین ہون مین

کرتے ہو مجھکو منع قدمبوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہین ہون مین

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین
خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہوگئین

یاد تھین ہمکو بھی رنگارنگ بزم آرائیان
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیان ہوگئین

تھین بنات النعش گردون دنکو پردے مین نہان
شبکو انکے جی مین کیا آئی کہ عریان ہوگئین

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھین روزن دیوار زندان ہوگئین

سب رقیبون سے ہون ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعان ہوگئین

جوئے خون آنکھون سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
مین یہ سمجھونگا کہ شمعین دو فروزان ہوگئین

ان پریزادون سے لینگے خلد مین ہم انتقام
قدرت حق سے یہی حورین اگر وان ہوگئین

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتین اسکی ہین
تیری زلفین جسکے بازو پر پریشان ہوگئین

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
بلبلین سنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئین

وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دلکے پار
جو مری کوتاہی قسمت سے مژگان ہوگئین

بسکہ روکا مین نے اور سینہ مین ابھرین پے بہ پے
میری آہین بخیہ چاک گریبان ہوگئین

وان گیا بھی مین تو انکی گالیونکا کیا جواب
یاد تھین جتنی دعائین صرف دربان ہوگئین

جانفزا ہی بادہ جسکے ہاتھ مین جام آگیا / سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگِ جان ہوگئین

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہی ترکِ رسوم / ملتین جب مٹگئین اجزاے ایمان ہوگئین

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹجاتا ہی رنج / مشکلین مجھ پر پڑین اتنی کہ آسان ہوگئین

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہان / دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہوگئین

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہین / یعنے ہماری جیب مین اک تار بھی نہین

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے / دیکھا تو ہم مین طاقتِ دیدار بھی نہین

ملنا ترا اگر نہین آسان تو سہل ہے / دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہین

بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہی اور یان / طاقت بقدرِ لذتِ آزار بھی نہین

شوریدگی کے ہاتھ سے ہی سر وبالِ دوش / صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

گنجایشِ عداوتِ اغیار اک طرف / یان دل مین ضعف سے ہوسِ یار بھی نہین

ڈر نالہاے زار سے میرے خدا کو مان / آخر نواے مرغِ گرفتار بھی نہین

دل مین ہی یار کی صفِ مژگان سے روکشی / حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہین

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا / لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت مین بارہا / دیوانہ گر نہین ہے تو ہشیار بھی نہین

نہین ہی زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن مین / ہوا ہی تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن مین

ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن مین

ودیعت خانۂ بیداد کاوشہای مژگان ہون
نگینِ نامِ شاہد ہے مرا ہر قطرہ خون تن مین

بیان کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی
شبِ مہ ہو جو رکھدین پنبہ دیوارون کی روزن مین

نکوہش مانعِ بیربطیِ شورِ جنون آئے
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین

ہوے اُس مہروش کی جلوۂ تمثال کی آگے
پرافشان جوہر آئینہ مثلِ ذرہ روزن مین

نجانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین

ہزارون دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھکو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن مین

اسد زندانیِ تاثیرِ الفتہاے خوبان ہون
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن مین

مزے جہان کے اپنی نظر مین خاک نہین
سواے خونِ جگر سو جگر مین خاک نہین

مگر غبار ہوے پر ہوا اڑا لیجاے
وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہگذر مین خاک نہین

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا
اثر مرے نفسِ بے اثر مین خاک نہین

خیال جلوۂ گل سے خراب ہین میکش
شراب خانہ کی دیوار و در مین خاک نہین

ہوا ہون عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سواے حسرتِ تعمیر گھر مین خاک نہین

ہمارے شعر ہین اب صرف دل لگی کے اسد
کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر مین خاک نہین

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیون
روینگے ہم ہزار بار کوئی ہمین ستائے کیون

دیر نہین حرم نہین در نہین آستان نہین
بیٹھے ہین رہگذر پہ ہم غیر ہمین اُٹھائے کیون

جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے مین منھ چھپائے کیون

دشنۂ غمزہ جانستان ناوک ناز بے پناہ
تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیون

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

حسن اور اسپہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیون

وان وہ غرور عز و ناز یان یہ حجاب پاس وضع
راہ مین ہم ملین کہان بزم مین وہ بلائے کیون

ہان وہ نہین خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جسکو ہو دین و دل عزیز اُسکی گلی مین جائے کیون

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہین
روئیے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیون

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یون
بوسہ کو پوچھتا ہون مین منھ سے مجھے بتا کہ یون

پرسش طرز دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے
اُسکے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یون

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یان خدا کرے پر نکرے خدا کہ یون

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے
سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یون

بزم مین اُسکے روبرو کیون نہ خموش بیٹھیے
اُسکی تو خاموشی مین بھی ہے یہی مدعا کہ یون

مین نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سنکے ستم ظریف نے مجھکو اُٹھا دیا کہ یون

مجھسے کہا جو یار نے جاتے ہین ہوش کسطرح
دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یون

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موجِ محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

باب الواو

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی
بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سروِ قد گرمِ خرامِ ناز آ جاوے
کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

کعبے میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قطِ قلمِ سرنوشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہرچند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو

ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامۂ زبونیِ ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیون نہو

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہین
اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیون نہو

مٹتا ہی فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیون نہو

اس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہین اسد
اسمین ہمارے سر پہ قیامت ہی کیون نہو

قفس مین ہون گر اچھا بھی نجانین میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

نہین گر ہمدمی آسان نہو یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اُس جراحت پہ
کیا سینے مین جسنے خونچکان مژگان سوزن کو

خدا شرماے ہاتھون کو کہ رکھتے ہین کشاکش مین
کبھی میرے گریبان کو کبھی جانان کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہین
نہین دیکھا شناور جوے خون مین تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پانوٴن کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کان مین جنبشِ جوہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہون کہ ڈھونڈھے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایمان ہے
مرے بتخانہ مین تو کعبہ مین گاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت مین جو دی تھی یہ خو مجھکو
جہان تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دنکو تو کب رات کو یون بیخبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہون رہزن کو

سخن کیا کہہ نہین سکتے کہ جویان ہون جواہر کے
جگر کیا ہم نہین رکھتے کہ کھودین جاکے معدن کو

مرے شاہِ سلیمان جاہ سے نسبت نہین غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

دھوتا ہون جب مین پینے کو اس سیمتن کی پانو / رکھتا ہی ضد سے کھینچ کی باہر لگن کی پانو

دی سادگی سے جان پڑون کوہکن کے پانو / ہیہات کیون نہ ٹوٹ گئے پیرزن کی پانو

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسیکی سزا ہے یہ / ہوکر اسیر دابتے ہین راہزن کی پانو

مرہم کی جستجو مین پھرا ہون جو دور دور / تن سے سوا فگار ہین اس خستہ تن کی پانو

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعد مرگ / ہلتے ہین خود بخود مرے اندر کفن کی پانو

ہی جوش گل بہار مین یانتک کہ ہر طرف / اُڑتے ہوے اُلجھتے ہین مرغِ چمن کے پانو

شبکو کسی کے خواب مین آیا نہو کہین / دُکھتے ہین آج اُس بتِ نازک بدن کی پانو

غالب مرے کلام مین کیونکر مزہ نہو / پیتا ہون دھو کے خسروِ شیرین سخن کی پانو

وان اُسکو ہول دل ہی تو یان مین ہون شرمسار / یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہو

اپنے کو دیکھتا نہین ذوقِ ستم تو دیکھ / آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہو

وان پہونچکر جو غش آتا پئے ہم ہی ہمکو / صد رہ آہنگ زمین بوس قدم ہی ہمکو

دلکو مین اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہی / کسقدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہمکو

ضعف سے نقش پئے مور ہی طوق گردن / تیرے کوچے سے کہان طاقتِ رم ہی ہمکو

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ اُمید بھی ہو / یہ نگاہِ غلط انداز تو سم ہے ہمکو

رشک ہمطرحی و درد اثر بانگ حزین / نالۂ مرغ سحر تیغ دو دم ہے ہمکو

سر اُڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا / ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہی ہمکو

دل کے خون کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاس بے رونقیِ دیدہ اہم ہے ہم کو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناسپاس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

ابھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گومگو تو کیونکر ہو

تمہین کہو کہ گذارا صنم پرستون کا
بتون کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

اُلجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تمسے شہر مین ہون ایک دو تو کیونکر ہو

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

ہمین پھر اونسے امید اور انھین ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھین نہ وہ تو کیونکر ہو

غلط نہ تھا ہمین خط پہ گمان تسلّی کا
نمانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

بتاؤ اُس مژہ کو دیکھکر ہو مجھکو قرار
یہ نیش ہو رگِ جان مین فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنون نہین غالبؔ ولے بقول حضور
فراقِ یار مین تسکین ہو تو کیونکر ہو

کسیکو دیکے دل کوئی نوا سنجِ فغان کیون ہو
نہو جب دل ہی سینے مین تو پھر منھ مین زبان کیون ہو

وہ اپنی خو نچھوڑینگے ہم اپنی وضع کیون چھوڑین
سُبک سر بنکے کیا پوچھین کہ ہمسے سرگران کیون ہو

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازدان کیون ہو

وفا کیسی کہانکا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستان کیون ہو

قفس مین مجھسے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہی جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل مین نہین ہین پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل مین تمھین تم ہو تو آنکھون سے نہان کیون ہو

غلط ہی جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کسکا ہی
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیان کیون ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوے تم دوست جسکے دشمن اُسکا آسمان کیون ہو

یہی ہی آزمانا تو ستانا کسکو کہتے ہین
عدو کے ہولیے جب تم تو میرا امتحان کیون ہو

کہا تمنے کہ کیون ہو غیر کے ملنے مین رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہان کیون ہو

نکالا چاہتا ہی کام کیا طعنون سی تو غالب
ترے بےمہر کہنے سے وہ تجھپر مہربان کیون ہو

ردیف ہ

رہیے اب ایسی جگہ چلکر جہان کوئی نہو
ہم سخن کوئی نہو اور ہمزبان کوئی نہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہو اور پاسبان کوئی نہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خوان کوئی نہو

از مہر تا بہ ذرّہ دل و دل ہے آئنہ
طوطی کو شش جہت سی مقابل ہی آئنہ

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ
جسکی بہار یہ ہو پھر اسکی خزان نہ پوچھ

ناچار بیکسی کی بھی حسرت اُٹھائیے
دشواری رہ و ستم ہمرہان نہ پوچھ

ردیف ی

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگان اُٹھائیے
طاقت کہان کہ دید کا احسان اُٹھائیے

ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق
یعنے ہنوز منت طفلان اُٹھائیے

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم
ای خانمان خراب نہ احسان اُٹھائیے

یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے
یا پردۂ تبسم پنہان اُٹھائیے

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
بھون پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے

عاشق ہوی ہین آپ بھی اک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

دے داد ای فلک دل حسرت پرست کی
ہان کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہیے

سیکھے ہین مہ رخون کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

مے سے غرض نشاط ہی کس رو سیاہ کو
اِک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

ہی رنگِ لالہ و گل و نسرین جدا جدا
ہر رنگ مین بہار کا اثبات چاہیے

ق
سر پاے خُم پہ چاہیے ہنگام بیخودی
رو سوے قبلہ وقت مناجات چاہیے

یعنی بحسبِ گردشِ پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مستِ مے ذات چاہیے

نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہی جو بات چاہیے

بساطِ عجز مین تھا ایکدل یکقطرہ خون وہ بھی
سو رہتا ہی باندازِ چکیدن سرنگون وہ بھی

رہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندی تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنون وہ بھی

خیالِ مرگ کب تسکین دلِ آزردہ کو بخشی
مرے دامِ تمنا مین ہی اک صیدِ زبون وہ بھی

نکرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزایشِ دردِ درون وہ بھی

نہ اتنا بُرشِ تیغِ جفا پہ ناز فرماؤ
مرے دریاے بیتابی مین ہی اک موجِ خون وہ بھی

مے عشرت کی خواہش ساقیِ گردون سے کیا کیجے
لیے بیٹھا ہی اک دو چار جامِ واژگون وہ بھی

مرے دل مین ہی غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اُس سے مین یہ بھی کہون وہ بھی

ہے بزمِ بتان مین سخن آزردہ لبون سے
تنگ آے ہین ہم ایسے خوشامد طلبون سے

ہے دورِ قدح وجہِ پریشانیِ صہبا
یکبار لگا دو خمِ مے میرے لبون سے

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہین زاہد
زنہار نہو نا طرف ان بے ادبون سے

بیداد وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبون سے

تا ہمکو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہین گو ذکر ہمارا نہین کرتے

غالب ترا احوال سنا دینگے ہم انکو
وہ سن کے بلا لین یہ اجارہ نہین کرتے

گھر مین تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

کھلیگا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یا رب
قسم کھائی ہے اس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

لپٹنا پرنیان مین شعلۂ آتش کا آسان ہے
ولی مشکل ہے حکمت دل مین سوزِ غم چھپانے کی

انھین منظور اپنے زخمیون کا دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

لکد کوبِ حوادث کا تحمل کر نہین سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتون کے ناز اٹھانے کی

کہون کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زمان غالب
بدی کی اسنے جس سے ہمنے کی تھی بارہا نیکی

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی
دل جوش گریہ مین ہے ڈوبی ہوئی اسامی

اس شمع کی طرح سے جسکو کوئی بجھا دے
مین بھی جلے ہوؤن مین ہون داغِ ناتمامی

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے
جسمین کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرہ مین جان ہے

حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ
غافل کو میرے شیشہ پہ مے کا گمان ہے

کی اُسنے گرم سینۂ اہلِ ہوس مین جا
آوے نہ کیون پسند کہ ٹھنڈا مکان ہی

کیا خوب تمنے غیر کو بوسہ نہین دیا
بس چُپ رہو ہماری بھی منھ مین زبان ہی

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار مین
فرمانرواے کشورِ ہندوستان ہی

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہون کہ داغ جگر کا نشان ہی

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اسقدر
غالب ہم اسمین خوش ہین کہ نامہربان ہی

درد سے میری ہی تجھکو بیقراری ہای ہای
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہای ہای

تیرے دلمین گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیون کی تھی میری غمگساری ہای ہای

کیون مری غمخوارگی کا تجھکو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہای ہای

عمر بھر کا تونے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہین ہی پایداری ہاے ہای

زہر لگتی ہی مجھے آب و ہواے زندگی
یعنے تجھسے تھی اسے ناسازگاری ہای ہای

گلفشانیہاے نازِ جلوہ کو کیا ہوگیا
خاک پر ہوتی ہی تیری لالہ کاری ہاے ہای

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک مین
ختم ہی اُلفت کی تجھپر پردہ داری ہای ہای

خاک مین ناموسِ پیمانِ محبت مل گئے
اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہای ہای

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری ہای ہای

کسطرح کاٹے کوئی شبہاے تارِ برشکال
ہی نظر خو کردۂ اختر شماری ہاے ہای

گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال
ایک دل تسپر یہ ناامیدواری ہاے ہای

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل مین جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

سرگشتگی مین عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہی

لیتا نہین مرے دلِ آوارہ کی خبر
اتبک وہ جانتا ہی کہ میرے ہی پاس ہی

کیجے بیانِ سرورِ تبِ غم کہان تلک
ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

ہی وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
ہر چند اُسکے پاس دلِ حق شناس ہی

پی جسقدر ملے شبِ مہتاب مین شراب
اِس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہی

ہر اک مکان کو ہی مکین سے شرف اسد
مجنون جو مر گیا ہی تو جنگل اُداس ہی

گر خامشی سے فائدہ اخفاے حال ہی
خوش ہون کہ میری بات سمجھنی محال ہی

کسکو سُناؤن حسرتِ اظہار کا گلہ
دل فردِ جمع و خرچ زبانہاے لال ہی

کس پردہ مین ہی آئنہ پرداز ای خدا
رحمت کہ عذرخواہ لبِ بے سوال ہی

ہی ہی خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
ای شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہی

مشکین لباسِ کعبہ علی کی قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہی

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہی

ہستی کے مت فریب مین آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

تم اپنے شکوے کی باتین نکھود کھود کر پوچھو
حذر کرو مرے دل سے کہ اسمین آگ دبی ہے

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیون
ہم نہین جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

آگ سے پانی مین بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
ہر کوئی درماندگی مین نالے سے ناچار ہے

ہے وہی بدمستیِ ہر ذرہ کا خود عذرخواہ
جسکے جلوے سے زمین تا آسمان سرشار ہے

مجھسے مت کہہ تو ہمین کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی ان دنون بیزار ہے

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھپہ کھلجاوے کہ اسکو حسرتِ دیدار ہے

پینس مین گذرتے ہین جو کوچے سے وہ میرے
کندھا بھی کہارون کو بدلنے نہین دیتے

مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے
جسے کہتے ہین نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

خزان کیا فصلِ گل کہتے ہین کسکو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہین قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفائے دلبران ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریادِ دلہائے حزین کا کسنے دیکھا ہے

نہ لائے شوخیِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی
کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے
نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بےچین رکھتی ہے ہمین
ورنہ یان بےرونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

چشمِ خوبان خامشی مین بھی نوا پرداز ہے
سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے

پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

دستگاہِ دیدۂ خونبارِ مجنون دیکھنا
یک بیابان جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

عشق مجھکو نہین وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہمسے
کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے مین ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہین خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہین ہین اپنے
غیر کو تجھسے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہین غفلت ہی سہی

عمر ہرچند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہین
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالینگے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

ہے آرمیدگی مین نکوہش بجا مجھے
صبحِ وطن ہے خندۂ دندان نما مجھے

ڈھونڈھے ہے اس مغنیِ آتش نفس کو جی
جسکی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے

مستانہ طے کرون ہون رہِ وادیِ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

کرتا ہے بسکہ باغ مین تو بیحجابیان
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی پہ کیون مرے دل کا معاملہ
شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

دل ہی تو ہے سیاستِ دربان سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیے

رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہنِ مے
مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کیے

بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اسنے سیکڑوں وعدے وفا کیے

غالب تمھیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

جادادِ بادہ نوشیِ رنداں ہے شش جہت
غافل گمان کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا
جوشِ بہار جلوہ کو جسکی نقاب ہے

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

گزرا اسد مسرتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھکو رشکِ سوال و جواب ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجاے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھسے دیکھا جاے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھلا جاے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اسکو آتی ہے تو شرما جاے ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جاے ہے

دور چشمِ بد تری بزمِ طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جاے ہے

گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جاے ہے

اسکی بزم آرائیاں سنکر دلِ رنجور یاں
مثلِ نقشِ مدعاے غیر بیٹھا جاے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جاے ہے جتنا کہ اڑتا جاے ہے

نقش کو اسکی مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جسقدر اتنا ہی کھنچتا جاے ہے

سایہ میرا مجھسے مثلِ دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جاے ہے

گرم فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھسے مری ہمتِ عالی نے مجھے

کثرت آرائیِ وحدت ہے پرستاریِ وہم
کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برقِ خرمنِ راحت خونِ گرمِ دہقاں ہے

غنچہ تا شگفتنہا برگِ عافیت معلوم
باوجودِ دلجمعی خوابِ گل پریشاں ہے

ہمسے رنجِ بیتابی کسطرح اُٹھایا جاے
داغِ پشتِ دستِ عجز شعلہ خس بدندان ہے

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیابان مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہے

سادگی پہ اسکے مرجانے کی حسرت دلمین ہے
بس نہین چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل مین ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسنے کہا
مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہے

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے باایں ہمہ
ذکر میرا مجھسے بہتر ہے کہ اُس محفل مین ہے

بس ہجومِ ناامیدی خاک مین ملجائیگی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بیحاصل مین ہے

رنجِ رہ کیون کھینچیے واماندگی کو عشق ہے
اُٹھ نہین سکتا ہمارا جو قدم منزل مین ہے

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کسکے آب و گل مین ہے

ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل مین ہے

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونون کو اک ادا مین رضامند کر گئی

شق ہوگیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراغ
تکلیفِ پردہ داریِ زخمِ جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیان کہان
اُٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوے یار مین
بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی

دیکھو تو دلفریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروے شیوۂ اہلِ نظر گئی

نظارہ نے بھی کام کیا وان نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مارا زمانے نے اسد اللہ خان تمہین
وہ ولولے کہان وہ جوانی کدھر گئی

تسکین کو ہم نہ روئین جو ذوقِ نظر ملے
حوران خلد مین تری صورت مگر ملے

اپنی گلی مین مجھکو نہ کر دفن بعد قتل
میرے پتے سے خلق کو کیون تیرا گھر ملے

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جسقدر ملے

تجھسے تو کچھ کلام نہین لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

تمکو بھی ہم دکھائین کہ مجنون نے کیا کیا
فرصت کشاکشِ غمِ پنہان سے گر ملے

لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین
جانا کہ اک بزرگ ہمین ہمسفر ملے

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا
تمکو کہین جو غالبِ آشفتہ سر ملے

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی مین ہمنے ٹھانی اور ہے

آتشِ دوزخ مین یہ گرمی کہان
سوزِ غمہائے نہانی اور ہے

بارہا دیکھی ہین انکی رنجشین
پر کچھ اب کی سرگرانی اور ہے

دیکے خط منھ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

قاطع اعمار ہین اکثر نجوم
وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

کوئی امید بر نہین آتی
کوئی صورت نظر نہین آتی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیون رات بھر نہین آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہین آتی

جانتا ہون ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہین آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون
ورنہ کیا بات کر نہین آتی

کیون نہ چیخون کہ یاد کرتے ہین
میری آواز گر نہین آتی

داغ دل گر نظر نہین آتا
بو بھی اے چارہ گر نہین آتی

ہم وہان ہین جہان سے ہمکو بھی
کچھ ہماری خبر نہین آتی

مرتے ہین آرزو مین مرنے کی
موت آتی ہے پر نہین آتی

کعبہ کس منھ سے جاؤ گے غالب
شرم تمکو مگر نہین آتی

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار
یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

مین بھی منھ مین زبان رکھتا ہون
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

جبکہ تجھ بن نہین کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہین
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکن زلف عنبرین کیون ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہان سے آئے ہین
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

ہمکو اُنسے وفا کی ہے اُمید
جو نہین جانتے وفا کیا ہے

ہان بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تُم پر نثار کرتا ہون
مین نہین جانتا دعا کیا ہے

مین نے مانا کہ کچھ نہین غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے
یکمرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

ہون کشمکشِ نزع مین ہان جذبِ محبت
کچھ کہہ نہ سکون پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم
آنا ہی سمجھ مین مری آتا نہین گو آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگینگے نکیرین
ہان مُنھ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

جلاد سے ڈرتے ہین نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوے ہین اُسے جس بھیس مین جو آئے

ہان اہلِ طلب کون سُنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہین اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہین وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھین
اُس در پہ نہین بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے

کی ہمنفسون نے اثرِ گریہ مین تقریر
اچھے رہے آپ اُس سے مگر مجھکو ڈبو آئے

اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے وان اور تری تقدیر کو رو آئے

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے
سینہ جویائے زخم کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

قبلۂ مقصدِ نگاہ نیاز
پھر وہی پردۂ عماری ہے

چشم دلال جنس رسوائی
دل خریدار ذوق خواری ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی
وہی صد گونہ اشکباری ہے

دل ہوائے خرام ناز سے پھر
محشرستان بیقراری ہے

جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے
روز بازار جان سپاری ہے

پھر اسی بیوفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم بازار فوجداری ہے

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
اشکباری کا حکم جاری ہے

دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اسکی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

جنون تہمت کش تسکین نہو گر شادمانی کی
نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی

کشاکشہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصت روانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیارتگاہ طفلاں ہے
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی
مبادا خندۂ دندان نما ہو صبح محشر کی

رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے
اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

کہاں تک روؤں اسکے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اسمیں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ ری تیری تندیِ خو جسکے بیم سے
اجزائے نالہ دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے

اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق
جو پاؤں اٹھ گئے وہی انکے علم ہوئے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے

چھوڑی اسد نہ ہمنے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
تو فسردگی نہاں ہے بکمینِ بےزبانی

مجھے اُس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی | کبھی کودکی مین جسنے نہ سنی مری کہانی
یون ہی دکھ کسی کو دینا نہین خوب ورنہ کہتا | کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

قطعہ

ظلمت کدہ مین میرے شبِ غم کا جوش ہے | اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے
نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال | مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے
مے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب | اے شوق یان اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے
گوہر کو عقدِ گردنِ خوبان مین دیکھنا | کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے
دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہِ مست | بزمِ خیال میکدۂ بےخروش ہے
اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل | زنہار اگر تمھین ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو | میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی | مطرب بنغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط | دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ | یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے آ کر تو بزم مین | نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی | اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہین غیب سے یہ مضامین خیال مین
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

آہ کہ مری جان کو قرار نہین ہے | طاقتِ بیدادِ انتظار نہین ہے

دیتے ہین جنت حیات دہر کے بدلے
نشہ باندازۂ خمار نہین ہے

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھکو
ہاے کہ رونے پہ اختیار نہین ہے

ہمسے عبث ہے گمان رنجشِ خاطر
خاک مین عشاق کی غبار نہین ہے

دل سے اُٹھا لطف جلوہ ہاے معانی
غیر گل آئینۂ بہار نہین ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
واے اگر عہد استوار نہین ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہین ہے

ہجوم غم سے یان تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر مین فرق مشکل ہے

رفوے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزنکی
سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستان مین جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صداے خندۂ دل ہے

پا بدامن ہو رہا ہون بسکہ مین صحرا نورد
خار پا ہین جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

دیکھنا حالت مرے دلکی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ ہر مو مجھے

ہون سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگون مین نہ چھیڑے تو مجھے

جس بزم مین تو ناز سے گفتار مین آوے
جان کالبدِ صورتِ دیوار مین آوے

سایہ کی طرح ساتھ پھرین سرو و صنوبر
تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار مین آوے

تب نازِ گرانمایگیِ اشک بجا ہے
جب لختِ جگر دیدۂ خونبار مین آوے

دے مجھکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجکو مزہ بھی مرے آزار مین آوے

اُس چشمِ فسون گر کا اگر پائے اشارا
طوطی کی طرح آئینہ گفتار مین آوے

کانٹون کی زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیِ پُرخار مین آوے

مرجاؤن نہ کیون رشک سے جب وہ تنِ نازک
آغوشِ خمِ حلقۂ زنار مین آوے

غارتگرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر
کیون شاہدِ گل باغ سے بازار مین آوے

تب چاک گریبان کا مزہ ہے دلِ نالان
جب اک نفس اُلجھا ہوا ہر تار مین آوے

آتشکدہ ہے سینہ مرا رازِ نہان سے
اے وائے اگر معرضِ اظہار مین آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اوس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار مین آوے

حسنِ مہ گرچہ بہنگامِ کمال اچھا ہے
اُس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

بوسہ دیتے نہین اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی مین کہتے ہین کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

بے طلب دین تو مزہ اوس مین سوا ملتا ہے
وہ گدا جسکو نہ ہو خوے سوال اچھا ہے

اُنکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منھ پر رونق
وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

دیکھیے پاتے ہین عشاق بتون سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیرین سے کیا
جس طرح کا کہ کسی مین ہو کمال اچھا ہے

قطرہ دریا مین جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جسکا کہ مآل اچھا ہے

خضر سلطان کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز
شاہ کے باغ مین یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

نہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

خار خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے
شوق گلچینِ گلستانِ تسلی نہ سہی

مے پرستان خمِ مے منھ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہ ہوا بزم مین ساقی نہ سہی

نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا
گر نہین شمعِ سیہ خانۂ لیلی نہ سہی

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہین ہین مرے اشعار مین معنی نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خوبان ہی غنیمت سمجھو
نہوئی غالبؔ اگر عمرِ طبیعی نہ سہی

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہین ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پانون سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خرابِ بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اسکے در پہ پہونچتے ہین نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانیان اٹھائی ہین ہمنے
تمھارے آئیو اے طرہ ہای خم بخم آگے

دل و جگر مین پرافشان جو ایک موجۂ خون ہے
ہم اپنے زعم مین سمجھے ہوے تھے اسکو دم آگے

قسم جنازہ پہ آنیکی میرے کھاتے ہین غالبؔ
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہی

پر ہون مین شکوہ سے یون راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہی

گو سمجھتا نہین پر حسن تلافی دیکھو
شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہی

عشق کی راہ مین ہی چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہی

کیون نہ ٹھہرین ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہین گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہین اور برا ہوتا ہی

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہی جو ایسا ہی رسا ہوتا ہی

قطعہ

خامہ میرا کہ وہ ہے باربدِ بزم سخن
شاہ کی مدح مین یون نغمہ سرا ہوتا ہی

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہی

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہی

ہر مہینے مین جو یہ بدر سے ہوتا ہی ہلال
آستان پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہی

مین جو گستاخ ہون آئین غزلخوانی مین
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہی

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی مین معاف
آج کچھ درد مرے دل مین سوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہی
تمہین کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہی

نہ شعلہ مین یہ کرشمہ نہ برق مین یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہی

یہ رشک ہی کہ وہ ہوتا ہی ہمسخن تمسے
دگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہی

چپک رہا ہی بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہی

جلا ہی جسم جہاں دل بھی جلگیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہی

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہی

وہ چیز جسکے لیے ہمکو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہی

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہی

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہی

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہی اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

میں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں
چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاشکے تم مرے لیے ہوتے

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

خستگی کا تمسے کیا شکوہ کہ یہ
ہتکھنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہو
ہم تو عاشق ہیں تمھارے نام کے

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر
یہ بھی حلقے ہیں تمھارے دام کے

شاہ کے ہے غسل صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھرین حمام کے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک
اسکو کہتے ہین عالم آرائی

کہ زمین ہو گئی ہے سر تا سر
روکش سطح چرخ مینائی

سبزہ کو جب کہین جگہ نہ ملی
بنگیا روے آب پہ کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے
چشم نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا مین شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے باد پیمائی

کیون نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

تغافل دوست ہون میرا دماغ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہونے سے
بھرے ہین جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ
دیکھ خونابہ فشانی میری

کیا بیان کر کے مرا روئینگے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

ہون ز خود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جاتا ہے نشانی میری

مقابل ہے مقابل میرا
رک گیا دیکھ روانی میری

قدر سنگِ سرِ رہ رکھتا ہون
سخت ارزان ہے گرانی میری

گرد بادِ رہِ بیتابی ہون
صرصرِ شوق ہے بانی میری

دہن اوسکا جو نہ معلوم ہوا
کھل گئی ہیچمدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگ پیری ہے جوانی میری

نقشِ نازِ بتِ طناز بآغوشِ رقیب
پاے طاؤس پے خامۂ مانی مانگے

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

وہ تپِ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع
شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

وان کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر
یان نالہ کو اور الٹا دعواے رسائی ہے

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یارب اُسے قسمت مین عدو کی

اچھا ہے سر انگشتِ حنائی کا تصور
دلمین نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیون ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یان تو کوئی سنتا نہین فریاد کسو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت مین رہا ایک بتِ عربدہ جو کی

سیماب پشت گرمیِ آئینہ دی ہے ہم
حیران کیے ہوئے ہین دلِ بیقرار کے

آغوشِ گل کشودہ براے وداع ہے
ای عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

ہی وصل ہجر عالمِ تمکین و ضبط مین
معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے

اُس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہان
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے

چاہیے اچھون کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہین تو پھر کیا چاہیے

صحبتِ رندان سے واجب ہے حذر
جاے مے اپنے کو کھینچا چاہیے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل
بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
منھ چھپانا ہمسے چھوڑا چاہیے

دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کسقدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

اپنی رسوائی مین کیا چلتی ہے سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے

منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید
ناامیدی اوسکی دیکھا چاہیے

غافل ان مہ طلعتون کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہین خوبرویون کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

ہر قدم دوریِ منزل ہی نمایان مجھسے
میری رفتار سے بھاگے ہی بیابان مجھسے

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر
ہی نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگان مجھسے

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی مین
صورتِ دود رہا سایہ گریزان مجھسے

غمِ عشاق نہو سادگی آموز بتان
کسقدر خانۂ آئینہ ہے ویران مجھسے

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنون
صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغان مجھسے

بیخودی بسترِ تمہید فراغت ہو جو
پر ہے سائے کیطرح میرا شبستان مجھسے

شوقِ دیدار مین گر تو مجھے گردن مارے
ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشان مجھسے

بیکسیہای شبِ ہجر کی وحشت ہی ہی
سایہ خورشیدِ قیامت مین ہی پنہان مجھسے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگین تجھسے
آئینہ داریِ یک دیدۂ حیران مجھسے

نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہی اسد
ہی چراغان خس و خاشاکِ گلستان مجھسے

نکتہ چین ہی غمِ دل اسکو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ بنے

مین بلاتا تو ہون اسکو مگر ای جذبۂ دل
اسپہ بنجائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہی کہین چھوڑ نہ دی بھول نجائے
کاش یون بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یون ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہی تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہین تو کیا
ہاتھ آوین تو انھین ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کسکی ہی
پردہ چھوڑا ہی وہ اُسنے کہ اُٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھون کہ بن آئے نہ رہی
تمکو چاہون کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائی نہ اُٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے
صبح کے مانند زخمِ دل گریبانی کرے

جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے

ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرضِ گرانجانی کرے

میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست
موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد
یکقلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہمکو
نہ دے جو بوسہ تو منھ سے کہیں جواب تو دے

پلا دے اوک سے ساقی جو ہمسے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اسنے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے
مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

سرشکِ سر بصحرا دادہ نور العین دامن ہے
دلِ بیدست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے

خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو
فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

بطوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

ابھی آتی ہے بو بالش سے اسکی زلفِ مشکیں کی
ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

ہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب
کہ بیتابی سے ہر یک تار بستر خار بستر ہے

خطر ہے رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جاوے
غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جاوے

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب
اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جاوے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغبان تونبے
گر باغ گدائے مے نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

شادی سے گذر کہ غم نہ ہووے
اردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد
مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحت دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزو اعظم ہے

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں ولے انکی تمنا نہیں کرتے

در پردہ انھیں غیر سے ہے ربط نہانی
ظاہر کا یہ پردا ہے کہ پردا نہیں کرتے

یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسب رنگ فروغ
خط پیالہ سراسر نگاہ گلچیں ہے

کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالین ہے

بجا ہے گر نہ سنے نالہائے بلبلِ زار
کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگین ہی

اسدؔ ہی نزع مین چل بیوفا برای خدا
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکین ہی

کیون نہو چشمِ بتان محوِ تغافل کیون نہو
یعنے اس بیمار کو نظارہ سی پرہیز ہی

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہجائیگی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہی

عارضِ گل دیکھ روی یار یاد آیا اسدؔ
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہی

دیا ہی دل اگر اسکو بشر ہی کیا کہیے
ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہی کیا کہیے

یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے بن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمین کسقدر ہی کیا کہیے

رہی ہی یون گہ و بیگہ کہ کوی دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

زہی کرشمہ کہ یون دے رکھا ہی ہمکو فریب
کہ بن کہی ہی انھین سب خبر ہی کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہیے

تمھین نہین ہی سرِ رشتۂ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ مین کچھ ہی مگر ہی کیا کہیے

انھین سوال پہ زعمِ جنون ہی کیون لڑیے
ہمین جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے

حسد سزای کمالِ سخن ہے کیا کیجے
ستم بہاے متاعِ ہنر ہے کیا کہیے

کہا ہے کسنے کہ غالبؔ برا نہین لیکن
سوائے اسکے کہ آشفتہ سر ہی کیا کہیے

دیکھکر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فسان
مرحبا مین کیا مبارک ہی گرانجانی مجھے

کیون نہو بے التفاتی اُسکی خاطر جمع ہے
جانتا ہی محوِ پرسشہاے پنہانی مجھے

میرے غمخانیکی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھدیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

بدگمان ہوتا ہی وہ کافر نہوتا کاش کے
اسقدر ذوقِ نواے مرغِ بستانی مجھے

وای وان بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
لیگیا تھا گور مین ذوقِ تن آسانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تمنے کیون سونپی ہی میرے گھر کی دربانی مجھے

ہان نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ
پھر ہوا ہی تازہ سوداے غزلخوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی
میرزا یوسف ہی غالب یوسفِ ثانی مجھے

یاد ہی شادی مین بھی ہنگامۂ یارب مجھے
سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

ہی کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن
تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے

یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے
رشکِ آسائش پہ ہی زندانیونکی اب مجھے

طبع ہی مشتاقِ لذتہاے حسرت کیا کرون
آرزو سے ہی شکستِ آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

حضورِ شاہ مین اہلِ سخن کی آزمائش ہی
چمن مین خوشنوایانِ چمن کی آزمائش ہی

قد و گیسو مین قیس و کوہکن کی آزمائش ہی
جہان ہم ہین وہان دار و رسن کی آزمائش ہی

کرینگے کوہکن کے حوصلے کا امتحان آخر
ہنوز اس خستہ کی نیروے تن کی آزمائش ہی

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اُسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے

رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

پڑا رہ اے دلِ وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تابِ زلفِ پرشکن کی آزمائش ہے

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

وہ آویں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

زبسکہ مشق تماشا جنون علامت ہے / کشاد و بست مژہ سیلیِ ندامت ہے

نہ جانون کیونکہ مٹے داغ طعن بدعہدی / تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ / نگاہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعواے عشق بے بنیاد / جنون ساختۂ و فصل گل قیامت ہے

لاغر اتنا ہون کہ گر تو بزم مین جا دے مجھے / میرا ذمہ دیکھکر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اُسکو دیکھکر آجاے رحم / وان تلک کوئی کسی حیلہ سے پہونچا دے مجھے

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر باندازِ عتاب / کھولکر پردہ ذرا آنکھین ہی دکھلا دے مجھے

یان تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ مین / زلف گر بنجاؤن تو شانہ مین اُلجھا دے مجھے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے / ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگ سلیمان مرے نزدیک / اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

جز نام نہین صورت عالم مجھے منظور / جز وہم نہین ہستی اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہان گرد مین صحرا مرے ہوتے / گھستا ہے جبین خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے / تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خودبین و خودآرا ہون نہ کیون ہون / بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیِ گفتار / رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گمان گذرے ہے مین رشک سے گذرا / کیونکر کہون لو نام نہ اونکا مرے آگے

ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر / کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہون پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنون کو برا کہتی ہی لیلا مرے آگے

خوش ہوتے ہین پر وصل مین یون مر نہین جاتے
آئی شب ہجران کی تمنا مرے آگے

ہی موجزن اک قلزم خون کاش یہی ہو
آتا ہی ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہین آنکھون مین تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا
غالب کو برا کیون کہو اچھا مرے آگے

کہون جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے
تمہین کہو کہ جو تم یون کہو تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہین
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

وہ نیشتر سہی پر دل مین جب اوتر جاوے
نگاہ ناز کو پھر کیون نہ آشنا کہیے

نہین ذریعۂ راحت جراحت پیکان
وہ زخم تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہیے

جو مدعی بنے اوسکے نہ مدعی بنیے
جو نا سزا کہے اوسکو نہ نا سزا کہیے

کہین حقیقت جانکاہی مرض لکھیے
کہین مصیبت ناسازی دوا کہیے

کبھی شکایت رنج گران نشین کیجے
کہین حکایت صبر گریز پا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خون بہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہین نگار کو الفت نہو نگار تو ہے
روانی روش و مستی ادا کہیے

نہین بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے
طراوت چمن و خوبی ہوا کہیے

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی
تھے یہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اِس رنگ سے اُٹھائی کل اُس نے اسد کی نعش
دشمن بھی جسکو دیکھ کے غمناک ہو گئے

نشہ ہا شادابِ رنگ و ساز ہا مستِ طرب
شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست
واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے
دعوئِ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل
یکجہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

سوزشِ باطن کے ہیں احباب ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

حسنِ بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
آئنہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن
چشمِ وا گر دیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

جبتک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھسے راہِ سخن وا کرے کوئی

عالمِ غبارِ وحشتِ مجنون ہے سر بسر
کب تک خیالِ طرۂ لیلا کرے کوئی

افسردگی نہین طرب انشای التفات
ہان درد بنکے دلمین مگر جا کرے کوئی

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہین کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست
نقصان نہین جنون سے جو سودا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہان کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہین کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاریِ جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائین تو پھر کیا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل مین ایسے کے جا کرے کوئی

بات پر وان زبان کٹتی ہے
وہ کہین اور سنا کرے کوئی

بک رہا ہون جنون مین کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

جوہر تیغ بہ سر چشمۂ دیگر معلوم
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

مدعا محو تماشائے شکست دل ہے
آئنہ خانہ میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک
آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی
اترائے کیوں نہ خاک سر رہگزار کی

جب اس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ
لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزارون خواہشین ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ڈرے کیون میرا قاتل کیا رہیگا اُسکی گردن پر
وہ خون جو چشم تر سے عمر بھر یون دمبدم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہین لیکن
بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھلجائے ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پرپیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اُسکو خط تو ہمسے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھکر قلم نکلے

ہوئی اس دور مین منسوب مجھسے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہان مین جام جم نکلے

ہوئی جنسے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہمسے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

محبت مین نہین ہے فرق جینے اور مرنے کا
اُسیکو دیکھکر جیتے ہین جس کافر پہ دم نکلے

کہان میخانہ کا دروازہ غالب اور کہان واعظ
پر اتنا جانتے ہین کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

کوہ کے ہون بار خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اے شرار جستہ کیا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگ بال و پر ہے یہ کنج قفس
از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے
موج شراب یک مژۂ خوابناک ہے

جز زخم تیغ ناز نہین دل مین آرزو
جیب خیال بھی ترے ہاتھون سے چاک ہے

جوش جنون سے کچھ نظر آتا نہین اسد
صحرا ہماری آنکھ مین یک مشت خاک ہے

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعل بتان کا خواب سنگین ہے

آمد سیلاب طوفان صداے آب ہے
نقش پا جو کان مین رکھتا ہے انگلی جادہ سے

بزم مے وحشت کدہ ہی کسکی چشم مست کا
شیشہ مین نبض پری پنہان ہی موج بادہ سے

ہون مین بھی تماشائی نیرنگ تمنا
مطلب نہین کچھ اس سی کہ مطلب ہی بر آوے

سیاہی جیسے گرجاوے دم تحریر کاغذ پر
مری قسمت مین یون تصویر ہی شبہای ہجران کی

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغان ہی
خموشی ریشۂ صد نیستان سے خس بدندان ہی

تکلف برطرف ہی جانستان تر لطف بدخویان
نگاہ بیحجاب ناز تیغ تیز عریان ہی

ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی
کہ صبح عید مجھکو بدتر از چاک گریبان ہی

دل و دین نقد لا ساقی سی گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار مین ساغر متاع دستگردان ہی

غم آغوش بلا مین پرورش دیتا ہی عاشق کو
چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجان ہی

خموشیون مین تماشا ادا نکلتی ہے
نگاہ دل سے تری سرمہ سا نکلتی ہی

فشار تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم
صبا جو غنچے کے پردے مین جا نکلتی ہی

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آب تیغ نگاہ
کہ زخم روزن در سے ہوا نکلتی ہی

جس جا نسیم شانہ کش زلف یار ہے
نافہ دماغ آہوے دشت تتار ہے

کسکا سراغ جلوہ ہے حیرت کو ای خدا
آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے

ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبار شوق
گر دام یہ ہے وسعت صحرا شکار ہے

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

چھڑکے ہی شبنم آئینۂ برگ گل پر آب
اے عندلیب وقت وداع بہار ہے

پیچ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پہ یان انتظار ہے

بے پردہ سوے وادیِ مجنون گزر نکر
ہر ذرہ کے نقاب مین دل بیقرار ہے

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیان
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
اے بیدماغ آئنہ تمثال دار ہے

غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہان تجھے کیا انتظار ہے

آئینہ کیون نہ دون کہ تماشا کہین جسے
ایسا کہان سے لاؤن کہ تجھسا کہین جسے

حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال مین
گلدستۂ نگاہِ سویدا کہین جسے

پھونکا ہے کسنے گوشِ محبت مین اے خدا
افسونِ انتظار تمنا کہین جسے

سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہین جسے

ہے چشمِ تر مین حسرتِ دیدار سے نہان
شوقِ عنان گسیختہ دریا کہین جسے

درکار ہے شگفتنِ گلہاے عیش کو
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہین جسے

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہین جسے

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغِ دلِ بیدرد نظرگاہِ حیا ہے

دل خون شدہ کشمکشِ حسرتِ دیدار
آئینہ بدستِ بتِ بدمستِ حنا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی کسقدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے

تمثال مین تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

مجبوری و دعوائے گرفتاریِ اُلفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

معلوم ہوا حال شہیدانِ گذشتہ
تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

ای پرتوِ خورشید جہانتاب ادھر بھی
سایہ کی طرح ہمپہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہونکی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہونکی سزا ہے

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہو غالب
کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

منظور تھی یہ شکل تجلّی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ کے ظہور کی

اک خونچکان کفن مین کرور ون بناؤ ہین
پڑتی ہی آنکھ تیری شہیدون پہ حور کی

واعظ نہ تم پیو نہ کسیکو پلا سکو
کیا بات ہی تمہاری شرابِ طہور کی

لڑتا ہی مجھسے حشر مین قاتل کہ کیون اُٹھا
گویا ابھی سُنی نہین آواز صور کی

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو وان نہین پہ وانکے نکالے ہوئے تو ہین
کعبہ سے ان بتونکو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہی کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہِ طور کی

گرمی سہی کلام مین لیکن نہ اسقدر
کی جس سے بات اُسنے شکایت ضرور کی

غالب گر اس سفر مین مجھے ساتھ لے چلین
حج کا ثواب نذر کرونگا حضور کی

غم کھانے مین بودا دل ناکام بہت ہی
یہ رنج کہ کم ہی مے گلفام بہت ہے

کہتے ہوے ساقی سے حیا آتی ہی ورنہ
ہی یون کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

نے تیر کمان مین ہی نہ صیاد کمین مین
گوشہ مین قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کیا زہد کو مانون کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

ہین اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازان
پابستگیِ رسم و رہِ عام بہت ہے

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

ہی قہر گر اب بھی نہ بنی بات کہ انکو
انکار نہین اور مجھے ابرام بہت ہے

خون ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہین اے مرگ
رہنے دے مجھے یان کہ ابھی کام بہت ہے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

مدت ہوئی ہی یار کو مہمان کیے ہوے
جوشِ قدح سے بزم چراغان کیے ہوے

کرتا ہون جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگان کیے ہوے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہی دم
برسون ہوے ہین چاک گریبان کیے ہوے

پھر گرمِ نالہاے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغان کیے ہوے

پھر پرسشِ جراحتِ دلکو چلا ہی عشق
سامانِ صد ہزار نمکدان کیے ہوے

پھر بھر رہا ہون خامۂ مژگان بخونِ دل
سازِ چمن طرازیِ دامان کیے ہوے

باہمدگر ہوے ہین دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا سامان کیے ہوے

دل پھر طوافِ کوی ملامت کو جاے ہے
پندار کا صنم کدہ ویران کیے ہوے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جان کیے ہوے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستان نگاہ کا سامان کیے ہوے

پھر چاہتا ہون نامۂ دلدار کھولنا
جان نذرِ دلفریبیِ عنوان کیے ہوے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشان کیے ہوے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل مین آرزو
سرمہ سے تیز دشنۂ مژگان کیے ہوے

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستان کیے ہوے

پھر جی مین ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہین
سر زیرِ بارِ منتِ دربان کیے ہوے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہین تصورِ جانان کیے ہوے

غالب ہمین نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہین ہم تہیۂ طوفان کیے ہوے

نویدِ امن ہے بیدادِ دوست جان کے لیے
رہی نہ طرزِ ستم کوی آسمان کے لیے

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خون ہے
رکھون کچھ اپنی بھی مژگان خونفشان کے لیے

وہ زندہ ہم ہین کہ ہین روشناسِ خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاودان کے لیے

رہا بلا مین بھی مین مبتلاے آفتِ رشک
بلاے جان ہے ادا تیری اک جہان کے لیے

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ مین ہی نہین
درازدستیِ قاتل کے امتحان کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس مین فراہم خس آشیان کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری خوشامد سے
اُٹھا اور اُٹھ کر قدم مین نے پاسبانکے لیے

بقدرِ شوق نہین ظرفِ تنگناے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مری بیانکے لیے

دیا ہی خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے
بنا ہی عیش تجمل حسین خان کے لیے

زبان پہ بارِ خدایا یہ کسکا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

نصیرِ دولت و دین اور معینِ ملت و ملک
بنا ہی چرخِ برین جسکے آستانکے لیے

زمانہ عہد مین اُسکے ہی محوِ آرایش
بنین گے اور ستارے اب آسمانکے لیے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکرانکے لیے

اداے خاص سے غالب ہوا ہی نکتہ سرا
صلاے عام ہی یارانِ نکتہ دان کے لیے

قصائد

سازِ یک ذرہ نہین فیضِ چمن سے بیکار
سایۂ لالۂ بیداغ سویداے بہار

مستیِ بادِ صبا سے ہے بعرضِ سبزہ
ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

سبز ہی جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ
تازہ ہی ریشۂ نارنج صفت روے شرار

مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہی حسرت
کہ اس آغوش مین ممکن ہی دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہے فیض ہوا صورتِ مژگانِ یتیم
سرنوشتِ دو جہان ابر بیک سطرِ غبار

کاٹکر پھینکیے ناخن تو باندازِ ہلال
قوتِ نامیہ اُسکو بھی نچھوڑے بیکار

کفِ ہر خاک بگردون شدہ قمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

میکدہ مین ہو اگر آرزوے گلچینی — بھولجا یک قدح بادہ بہ طاقِ گلزار
موجِ گل ڈھونڈھ بخلوتکدۂ غنچۂ باغ — گم کرے گوشۂ میخانہ مین گر تو دستار
کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر — سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرگار
لعل سے کی ہی پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ — طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار
وہ شہنشاہ کہ جسکی پئے تعمیرِ سرا — چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار
فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور — رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار
سبزۂ نہ چمن و یک خطِ پشتِ لبِ بام — رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اوجِ حصار
وانکی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ — وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار
خاکِ صحراے نجف جوہرِ سیرِ عرفا — چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار
ذرہ اوس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز — گرد اوس دشت کی امید کو احرامِ بہار
آفرینش کو ہی وانسے طلبِ مستیِ ناز — عرضِ خمیازۂ ایجاد ہی ہر موجِ غبار

فیض سے تیرے ہی اے شمعِ شبستانِ بہار — دلِ پروانہ چراغان پرِ بلبل گلزار
شکلِ طاؤس کرے آئنہ خانہ پرواز — ذوق مین جلوہ کے تیرے بہواے دیدار
تیری اولاد کے غم سے ہی بروے گردون — سلکِ اختر مین مہِ نو مژۂ گوہر بار
ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہرِ نماز — ہم ریاضت کو ترے حوصلہ سے استظہار
مدح مین تیری نہان زمزمۂ نعتِ نبی — جام سے تیرے عیان بادۂ جوشِ اسرار
جوہرِ دستِ دعا آئنہ یعنے تاثیر — یک طرف نازشِ مژگان و دگر سو غمِ خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ
خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار

دشمن آلِ نبی کو بطرب خانۂ دہر
عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیوار

دیدہ تا دل اسد آئینۂ یک پرتوِ شوق
فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

قصیدہ

دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

بیدلیہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسیہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بمِ ہستی و عدم
لغو ہے آئینۂ فرقِ جنون و تمکیں

نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت
سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسیں

لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

مثلِ مضمونِ وفا باد بدستِ تسلیم
صورتِ نقشِ قدم خاک بفرقِ تمکیں

عشق بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں

کوہکن گرسنہ مزدورِ طربگاہِ رقیب
بیستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز
کس نے پایا اثرِ نالۂ دلہائے حزیں

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن
نہ سر و برگِ ستائش نہ دماغِ نفریں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیان تحریر
یا علی عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

مظہرِ فیضِ خدا جانِ دلِ ختمِ رسل
قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجادِ یقیں

ہو وہ سرمایۂ ایجاد جہاں گرم خرام — ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں
جلوہ پیرا ہو نقشِ قدم اسکا جس جا — وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں
نسبتِ نام سے اسکی ہے یہ رتبہ کہ رہے — ابدا پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں
فیضِ خلق اسکا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا — بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں
برشِ تیغ کا اسکی ہے جہاں میں چرچا — قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں
کفر سوز اسکا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے — رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں
جاں پناہا دل و جاں فیض رسانا شاہا — وصیِ ختمِ رسل تو ہے بفتوائے یقیں
جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر منبر — نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں
کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب — شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ — رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلِ امیں
تیرے در کے لیے اسبابِ نثار آمادہ — خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں
تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جاں کام و زباں — تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں
کس سے ہو سکتی ہے مداحیِ ممدوحِ خدا — کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں
جنسِ بازارِ معاصی اسد اللہ اسد — کہ سوا تیرے کوئی اسکا خریدار نہیں
شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب — ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقیں
دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول — کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں
غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز — کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

طبع کو اُلفت دُلدل مین یہ سرگرمیِ شوق
کہ جہانتک چلے اُس سے قدم اور مجھسے جبین

دلِ اُلفت نسب و سینۂ توحید فضا
نگہِ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزین

صرف اعدا اثرِ شعلۂ و دودِ دوزخ
وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوس برین

قصیدہ

ہان مہِ نو سنین ہم اسکا نام
جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہان رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردشِ ایّام

اُڑ کے جاتا کہان کہ تارون کا
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص
حبّذا اے نشاطِ عامِ عوام

عذر مین تین دن نہ آنے کے
لیکے آیا ہے عید کا پیغام

اُسکو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

ایک مین کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

رازِ دل مجھسے کیون چھپاتا ہے
مجھکو سمجھا ہے کیا کہین نمّام

جانتا ہون کہ آج دنیا مین
ایک ہی ہے امید گاہِ انام

مین نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اُسکا مگر نہین ہی غلام

جانتا ہون کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بطرزِ استفہام

مہرِ تابان کو ہو تو ہو اے ماہ
قرب ہر روزہ برسبیلِ دوام

تجھکو کیا پایہ روشناسی کا
جز بتقریب عیدِ ماہِ صیام

جانتا ہون کہ اوسکے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام

ماہ بن ماہتاب بن مین کون
مجھکو کیا بانٹ دیگا تو انعام

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

ہے مجھے آرزوے بخشش خاص
گر تجھے ہے امید رحمت عام

جو کہ بخشیگا تجھکو فر فروغ
کیا نہ دیگا مجھے مے گلفام

جبکہ چودہ منازل فلکی
کر چکے قطع تیری تیزی گام

تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر
کوے و مشکوے و صحن و منظر و بام

دیکھنا میرے ہاتھ مین لبریز
اپنی صورت کا اک بلورین جام

پھر غزل کی روش پہ چل نکلا
توسن طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہر غم کر چکا تھا میرا کام
تجھکو کس نے کہا کہ ہو بدنام

مے ہی پھر کیون نہ مین پیے جاؤن
غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام

بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے
کہ نہ سمجھین وہ لذت دشنام

کعبہ مین جا بجاینگے ناقوس
اب تو باندھا ہے دیر مین احرام

اوس قدح کا ہے دور مجھکو نقد
چرخ نے لی ہے جس سے گردش وام

بوسہ دینے مین اونکو ہے انکار
دل کے لینے مین جنکو تھا ابرام

چھیڑتا ہون کہ اونکو غصہ آے
کیون رکھون ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ　　اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام
کون ہے جسکے در پہ ناصیہ سا　　ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام
تو نہیں جانتا تو مجھسے سن　　نام شاہنشہِ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ　　مظہرِ ذوالجلالِ والاکرام
شہسوارِ طریقۂ انصاف　　نوبہارِ حدیقۂ اسلام
جسکا ہر فعل صورتِ اعجاز　　جسکا ہر قول معنیِ الہام
بزم میں میزبانِ قیصر و جم　　رزم میں اوستادِ رستم و سام
اے ترا لطف زندگی افزا　　اے ترا عہد فرخی فرجام
چشمِ بد دور خسروانہ شکوہ　　لوحش اللہ عارفانہ کلام
جاں نثاروں میں تیرے قیصرِ روم　　جرعہ خواروں میں تیرے مرشدِ جام
وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے　　ایرج و تور و خسرو و بہرام
زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے　　گیو و گودرز و بیژن و رہام
مرحبا موشگافیِ ناوک　　آفریں آبداریِ صمصام
تیر کو تیرے تیرِ غیر ہدف　　تیغ کو تیری تیغِ خصم نیام
رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند　　ق　برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا　　تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام
فنِ صورتگری میں تیرا گرز　　گر نہ رکھتا ہو دستگاہِ تمام

اوسکے مضروب کے سروتن سے
کیون نمایان ہو صورت ادغام

جب ازل مین رقم پذیر ہوے
صفحہ ہاے لیالی و ایام

اور ان اوراق مین بہ کلک قضا
مجملاً مندرج ہوے احکام

لکھدیا شاہدون کو عاشق کُش
لکھدیا عاشقون کو دشمن کام

آسمان کو کہا گیا کہ کہین
گنبد تیز گرد نیلی فام

حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھین
خال کو دانہ اور زلف کو دام

آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضع سوز و نم و رم و آرام

مہر رخشان کا نام خسرو روز
ماہ تابان کا اسم شحنۂ شام

تیری توقیع سلطنت کو بھی
دی بدستور صورت ارقام

کاتب حکم نے بموجب حکم
اُس رقم کو دیا طراز دوام

ہے ازل سے روائی آغاز
ہو ابد تک رسائی انجام

قصیدہ

صبحدم دروازۂ خاور کھُلا
مہر عالمتاب کا منظر کھُلا

خسرو انجم کے آیا صرف مین
شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھُلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود
صبح کو راز مہ و اختر کھُلا

ہین کواکب کچھ نظر آتے ہین کچھ
دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھُلا

سطح گردون پہ پڑا تھا رات کو
موتیون کا ہر طرف زیور کھُلا

صبح آیا جانب مشرق نظر
اک نگار آتشین رخ سر کھُلا

تھی نظر بندی کیا جب رد سحر
بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا

لاکے ساقی نے صبوحی کے لیے
رکھدیا ہے ایک جام زر کھلا

بزم سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و امان کا در کھلا

تاج زرین مہر تابان سے سوا
خسرو آفاق کے منھ پر کھلا

شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے
راز ہستی اوسپہ سرتاسر کھلا

وہ کہ جسکی صورت تکوین مین
مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جسکے ناخن تاویل سے
عقدۂ احکام پیغمبر کھلا

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام
اوسکے سرہنگونکا جب دفتر کھلا

روشناسون کی جہان فہرست ہی
وان لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

ق

توسن شہ مین ہے وہ خوبی کہ جب
تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا

نقش پا کی صورتین وہ دلفریب
تو کہے بتخانۂ آزر کھلا

مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے
منصب مہر و مہ و محور کھلا

لاکھ عقدے دل مین تھے لیکن ہر ایک
میری حد وسع سے باہر کھلا

تھا دل وابستہ قفل بے کلید
کسنے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

باغ معنی کی دکھاؤنگا بہار
مجھسے گر شاہ سخن گستر کھلا

ہو جہان گرم غزلخوانی نفس
لوگ جانین طبلۂ عنبر کھلا

غزل

کنج مین بیٹھا رہون یون پر کھلا
کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ہم پکارین اور کھلے یون کون جاے — یار کا دروازہ پاوین گر کھلا
ہمکو ہے اس راز داری پہ گھمنڈ — دوست کا ہے راز دشمن پہ کھلا
واقعی دل پہ بھلا لگتا تھا داغ — زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان — کب کمر سے غمزہ کی خنجر کھلا
مفت کا کسکو برا ہے بدرقہ — رہروی مین پردۂ رہبر کھلا
سوز دل کا کیا کرے باران اشک — آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا
نامہ کے ساتھ آگیا پیغام مرگ — رہگیا خط میری چھاتی پہ کھلا
دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی — ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال — پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
خامہ نے پائی طبیعت سے مدد — بادبان بھی اُٹھتے ہی لنگر کھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ — یان عرض سے رتبۂ جوہر کھلا
مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا — بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا
بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب — اب علوے پایۂ منبر کھلا
سکۂ شہ کا ہوا ہے روشناس — اب عیارِ آبروے زر کھلا
شاہ کے آگے دھرا ہے آئنہ — اب مآلِ سعی اسکندر کھلا
ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے — اب فریبِ طغرل و سنجر کھلا
ہو سکے کیا مدح ہان اک نام ہے — دفترِ مدح جہان داور کھلا

فکر اچھی پہ ستایش ناتمام
عجزِ اعجازِ ستایش گر کھلا

جانتا ہون ہے خطِ لوحِ ازل
تم پہ اے خاقان نامآور کھلا

تم کرو صاحبقرانی جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

ہان دلِ دردمند زمزمہ ساز
کیون نہ کھولے درِ خزینۂ راز

خامہ کا صفحہ پر روان ہونا
شاخِ گل کا ہے گلفشان ہونا

مجھسے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے
نکتہاے خردفزا لکھیے

بارے آمون کا کچھ بیان ہو جاے
خامہ نخلِ رطب فشان ہو جاے

آم کا کون مردِ میدان ہے
ثمر و شاخ گوے و چوگان ہے

تاک کے جی مین کیون رہے ارمان
آے یہ گوے اور یہ میدان

آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسیطرح مقدور
بادۂ ناب بنگیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھسے پوچھو تمھین خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گل اسمین نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزان آئے تب ہو اسکی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہان
جانِ شیرین مین یہ مٹھاس کہان

جان مین ہوتی گر یہ شیرینی
کوہکن باوجود غمگینی

جان دینے مین اسکو یکتا جان
پر وہ یون سہل دے نہ سکتا جان

نظر آتا ہے یون مجھے یہ ثمر
کہ دواخانۂ ازل مین مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام
شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
باغبانون نے باغ جنت سے
انگبین کے بحکم رب الناس
بھر کے بھیجے ہین سر بمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
مدتون تک دیا ہے آب حیات
تب ہوا ہے ثمر فشان یہ نخل
ہم کہان ورنہ اور کہان یہ نخل
تھا ترنج زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد پر کہان بو باس
آم کو دیکھتا اگر اک بار
پھینک دیتا طلاے دست افشار
رونق کارگاہ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہروِ راہ خلد کا توشہ
طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم
ناز پروردہ بہار ہے آم
خاص وہ آم جو نہ ارزان ہو
نوبرِ نخل باغ سلطان ہو
وہ کہ ہے والیِ ولایت عہد
عدل سے اُسکے ہے حمایت عہد
فخر دین عز و شان و جاہ و جلال
زینت طینت و جمال کمال
کارفرماے دین و دولت و بخت
چہرہ آراے تاج و مسند و تخت
سایہ اوسکا ہما کا سایہ ہے
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
اے مفیضِ وجود سایہ و نور
جب تلک ہے نمود سایہ و نور

اس خداوندِ بندہ پرور کو — وارثِ گنج و تخت و افسر کو
شاد و دل شاد و شادمان رکھیو — اور غالب پہ مہربان رکھیو

قطعات

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر — اے جہاندارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل
پانوں سے تیری ملے فرقِ ارادت اورنگ — فرق سی تیری کری کسبِ سعادت اکلیل
تیرا اندازِ سخن شانۂ زلفِ الہام — تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل
تجھسے عالم پہ کھلا رابطۂ قربِ کلیم — تجھسے دنیا میں بچھا مائدۂ بذلِ خلیل
بہ سخن اوج دہِ مرتبۂ معنی و لفظ — بکرم داغ نہِ ناصیۂ قلزم و نیل
تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر — تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل
ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر — زہرہ نے ترک کیا حوت سی کرنا تحویل
تیری دانش مری اصلاحِ مفاسد کی رہین — تیری بخشش مری انجاحِ مقاصد کی کفیل
تیرا اقبالِ ترحم مرے جینے کی نوید — تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل
بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دی مجھکو امان — چرخِ کجباز نے چاہا کہ کری مجھکو ذلیل
پیچھے ڈالی ہی سر رشتۂ اوقات میں گانٹھ — پہلے ٹھونکی ہی بنِ ناخنِ تدبیر میں کیل
تپشِ دل نہیں بے رابطۂ خوفِ عظیم — کششِ دم نہیں بے ضابطۂ جرِ ثقیل
درِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی — غمِ گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنبیل
فکر میری گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر — کلک میری رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میری ابہام پہ ہوتی ہی تصدق توضیح
میری اجمال سے کرتی ہی تراوش تفصیل

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف
جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکان خستہ نوازی مین یہ دیر
کعبۂ امن و امان عقدہ کشائی مین یہ ڈھیل

ایضاً

گئی وہ دن کہ نادانستہ غیرونکی وفاداری
کیا کرتی تھی تم تقریر ہم خاموش رہتی تھی

بس اب بگڑی پہ کیا شرمندگی جانی دو ملجاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہین کیون ہم نکہتی تھی

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نی ہمنشین
اک تیر میرے سینے مین مارا کہ ہای ہای

وہ سبزہ زار ہای مطرا کہ ہی غضب
وہ نازنین بتان خود آرا کہ ہای ہای

صبر آزما وہ اُنکی نگاہین کہ حف نظر
طاقت ربا وہ اُنکا اشارہ کہ ہای ہای

وہ میوہ ہای تازۂ شیرین کہ واہ واہ
وہ بادہ ہای ناب گوارا کہ ہای ہای

ہی جو صاحب کی کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدندان کہ اسی کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے

مُہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے
حرز بازوے شگرفان خود آرا کہیے

مسی آلود سر انگشت حسینان لکھیے
داغ طرفِ جگرِ عاشق شیدا کہیے

خاتم دست سلیمان کی مشابہ لکھیے
سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکین رخ دلکش لیلا کہیے

حجر الاسودِ دیوار حرم کیجے فرض
نافہ آہوے بیابانِ ختن کا کہیے

وضع مین اسکو اگر سمجھیے قافِ تریاق
رنگ مین سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے

صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مُہرِ نماز — میکدے میں اسے خشتِ خُمِ صہبا کہیے

کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے — کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنّا کہیے

کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے — کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے

کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھیے — کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلما کہیے

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجے فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

قطعہ

نہ پوچھ اسکی حقیقت حضورِ والا نے — مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر — جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی روٹی

[illegible]

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی — اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جامِ جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

مین کون اور ریختہ ہان اس سے مدعا — جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ امر — دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

مقطع مین آپڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہیں جنون نہیں وحشت نہیں مجھے

قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہین
ہی شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے

صادق ہون اپنے قول مین غالب خدا گواہ
کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

خوش ہو اے بخت کہ ہی آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جوان بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہی
ہی ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہی پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہی کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیون لائے ہین کشتی مین لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہونگے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا
ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی مین اترائین نہ موتی کہ ہمین ہین اک چیز
چاہیے پھولون کا بھی ایک مقرر سہرا

جب کہ اپنے مین سماوین نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولون کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخ روشن کی دمک گوہر غلطان کی چمک
کیون نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہین ہے یہ رگ ابر بہار
لائیگا تاب گرانباری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین
دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

قطعہ

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھسے جو اتنی ارادت ہی تو کس بات سے ہی

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونقِ بزمِ مہ و مہر تری ذات سے ہو
اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہو
خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سرِ دست
نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہو
ہاتھ میں تیرے رہے توسنِ دولت کی عنان
یہ دعا شام و سحر قاضیِ حاجات سے ہو
تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھکو ملاقات سے ہو
اس پہ گزرے نہ گمان ریو و ریا کا زنہار
غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہو

متفرقات

ہے چار شنبہ آخرِ ماہِ صفر چلو
رکھ دیں چمن میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند
جو آئے جام بھر کے پیے اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

مقطع

غالب کیا بیان ہے بجز مدحِ بادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتِ خواند
بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں
ہے جنکے آگے سیم و زرِ مہر و ماہ ماند
یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

[illegible]

اے شاہِ جہانگیر جہان بخش جہاندار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
تو وا کرے اس عقدے کو سو بھی باشارت
ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر
گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت
آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت
ہے نقش مریدی ترا فرمانِ الٰہی
ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلان	تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت
ڈھونڈھے نہ ملے موجۂ دریا مین روانی	باقی نہ ہی آتشِ سوزان مین حرارت
ہی گرچہ مجھے نکتہ سرائی مین توغل	ہی گرچہ مجھے سحر طرازی مین مہارت
کیونکر نہ کرون مدح کو مین ختم دعا پر	قاصر ہی شکایت مین تری میری عبارت
نوروز ہی آج اور وہ دن ہی کہ ہوی ہین	نظارگیِ صنعتِ حق اہلِ بصارت
تجھکو شرفِ مہر جہان تاب مبارک	غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

قطعہ

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو	اُس شخص کو ضرور ہی روزہ رکھا کری
جس پاس روزہ کھول کے کھانیکو کچھ نہو	روزہ اگر نہ کھاے تو ناچار کیا کری

[illegible]

اے شہنشاہِ آسمان اورنگ	اے جہاندارِ آفتاب آثار
تھا مین اک بینواے گوشہ نشین	تھا مین اک دردمندِ سینہ فگار
تمنے مجھکو جو آبرو بخشی	ہوئی میری وہ گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھسا ذرّۂ ناچیز	روشناسِ ثوابت وسیّار
گرچہ از روے ننگِ بے ہنری	ہون خود اپنی نظر مین اتنا خوار
کہ گر اپنے کو مین کہون خاکی	جانتا ہون کہ آئے خاک کو عار
شاد ہون لیکن اپنے جی مین کہ ہون	بادشہ کا غلامِ کارگزار
خانہ زاد اور مرید اور مدّاح	تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر	نسبتین ہو گئین مشخص چار
نہ کہون آپ سے تو کس سے کہون	مدعاے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھکو نہین	ذوق آرایش سر و دستار
کچھ تو جاڑے مین چاہیے آخر	تا نہ دے باد زمہریر آزار
کیون نہ درکار ہو مجھے پوشش	جسم رکھتا ہون ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہین ہے ابکی سال	کچھ بنایا نہین ہے ابکی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ	بھاڑ مین جائین ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہان تلک انسان	دھوپ کھاوے کہان تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی	وقنا ربنا عذاب النار
میری تنخواہ جو مقرر ہے	اوسکے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک	خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھکو دیکھو تو ہون بقید حیات	اور چھ ماہی ہو سال مین دو بار
بسکہ لیتا ہون ہر مہینے قرض	اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ مین تہائی کا	ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آج مجھسا نہین زمانے مین	شاعر نغز گوے خوش گفتار
رزم کی داستان گر سنیے	ہے زبان میری تیغ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجے	ہے قلم میری ابر گوہر بار

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ
تا نہو مجھکو زندگی دشوار

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

قطعہ

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

قطعہ

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی
مجھپہ کیا گذریگی اتنے روز حاضر بن ہوے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدین یہ سب کے دن ہوے

قطعہ تاریخ

خجستہ انجمن طوے میرزا جعفر
کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہوا ہی جی محظوظ

ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محظوظ ۱۸۵۴

ایضاً

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزم طرب میں رقص ناہید

کہا غالب سے تاریخ اسکی کیا ہے
تو بولا انشراح جشن جمشید

قطعہ

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

رباعی

بعد از اتمام بزم عید اطفال
ایام جوانی رہے ساغر کش حال

آپہنچے ہیں تا سواد اقلیم عدم
اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال

شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا	رباعی	کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک		ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا
آتشبازی ہے جیسے شغل اطفال	ایضاً	ہے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی		لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال
دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی	ایضاً	بیتابی رشک و حسرت دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس		تکرار روا نہیں تو تجدید سہی
ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے	ایضاً	وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار صورت کاغذ باد		ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے
دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا	ایضاً	اوس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں		غالب منہ بند ہو گیا ہے گویا
دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب	ایضاً	دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں		سونا سوگند ہو گیا ہے غالب
مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل	ایضاً	سن سن کے اُسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش		گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل
بھیجی ہے جو مجھکو شاہ جمجاہ نے دال	ایضاً	ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال		ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال
ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم	ایضاً	آثار جلالی و جمالی باہم

ہون شاد نکیون سافل و عالی باہم		ہے اب کی شب قدر و دوالی باہم
حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے	ایضاً	تا شاہ شیوع دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر مین گانٹھ		ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے
اس رشتہ مین لاکھ تار ہون بلکہ سوا	ایضاً	اتنے ہی برس شمار ہون بلکہ سوا
ہر سیکڑہ کو ایک گرہ فرض کرین		ایسی گرہین ہزار ہون بلکہ سوا
کہتے ہین کہ اب وہ مردم آزار نہین	ایضاً	عشاق کی پرسش سے اسے عار نہین
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا		کیونکر مانون کہ اوسمین تلوار نہین
ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے	ایضاً	کرتے ہین درنگ کام کرنے والے
کہتے ہین کہین خدا سے اللہ اللہ		وہ آپ ہین صبح و شام کرنے والے
سامان خور و خواب کہانسے لاؤن	ایضاً	آرام کے اسباب کہانسے لاؤن
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن		خسخانہ و برف آب کہانسے لاؤن
ان سیم کے بیجون کو کوئی کیا جانے	ایضاً	بھیجے ہین جو ارمغان شہ والا نے
گن کر دیوینگے ہم دعائین سو بار		فیروزہ کی تسبیح کے ہین یہ دانے

تقریظ

مشام شمیم آشنایان را صلا و نہاد انجمن نشینان را مژدہ کہ مجلتے از سامان مجمرہ گردانی آمادہ داستے از عود ہندی دست بہم دادہ است نہ چوبہاے سنگ تروپ خوردہ بہنجار نا طبیعی شکستہ بیجا اندام تراشیدہ بلکہ بہ ہنر شگفتہ بکار و ریزہ ریزہ کردہ بسوہان خراشیدہ ام یدون نفس گداختگی شوق قیاس جستہ…

آتش پارسی ست نه آتشی که در گلخنهاے هند افسرده خاموش و از کف خاکستر برگ خودش
سیه پوش بینی چه بروے مسلم ست از ناپاکی باستخوان مرده نابار شکستن و از دیوانگی بششه شمع
مزار کشته آویختن هم آئینه بدل گداختن نیرزد و بزم افروختن را نشاید ترنج آتش به صنع
برافروزنده و آتش پرست را بباد افراه هم در آتش سوزنده نیک میداند که پژوهنده
در هیولے آن رخشنده آذر نعل در آتش ست که بچشم روشنی بو تنگنا ز سنگ برون تاخته
و در ایوان لهراسپ نشو و نما یافته خس را فروغست و لاله را رنگ و مغ را چشم و کده را چراغ بخشنده
یزدان درون بسخن برافروز را سپاسم که شرارے ازان آتش تابناک بخاکستر خویش یافته بکاوکاو
سینه نشافته ام و از نفس دمه بران برنهاده بو که در اندک مایه روزگار آن مایه فراهم تواند آمد
که حجره را فروشنائی چراغ و دانشور را بال شناسائی دماغ تواند بخشید همانا نگارنده
این نامه را آن در سرست که پس از انتخاب دیوان ریخته بگرد آوردن سرمایه دیوان فارسی بپردازد
و باستفاضه کمال این فریور فن پس زانوے خویشتن نشیند امید که سخن سرایان سخنور شناسے
پراگنده ابیاتے را که خارج ازین اوراق یابند از آثار تراوش رگ کلک این نامه سیاه
نشناسند و جامه گرد آورد را در ستایش و نکوهش آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند یارب این
بوئے هستی شنیده از نیستی به پیدائی رسیده یعنی نقش بضمیر آمده نقاش که باسد الله خان
موسوم به میرزا نوشه معروف بغالب تخلص ست چنانکه اکبرآبادی مولد و دهلوی مسکن ست

درین زمان باهتمام ابوالحسنات قطب الدین احمد پروپرائٹر در مطبع نامی لکھنؤ ماه جولائی سنه ۱۹۱۴ع

مطابق ماه شعبان المعظم [illegible] هجری بار [illegible] مطبوع گردیده مقبول جهان گرداد

DUE DATE

Date	No.	Date	No.